b

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (قرآن)

ماہنامہ لاہور

مُحَدِّث

مدیر:-

حافظ عبدالرحمن مدنی

مجلس التحقیق الاسلامی - لاہور ۱۶

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com __ www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ محدّث لاہور

ر ۱	ربیع الآخر ۱۳۹۱ھ جون ۱۹۷۱ء	عدد ۷

مدیر : حافظ عبدالرحمٰن مدنی (روپڑی)

مقامِ اشاعت

مدرسہ رحمانیہ (رجسٹرڈ) گارڈن ٹاؤن ○ لاہور ۱۶

شر : حافظ عبدالرحمٰن مدنی   طابع: رشید احمد چودھری   مطبع: مکتبہ جدید پریس ۴ شاہراہ فاطمہ جناح - لاہور
قیمت : فی مجلہ ۹۰ پیسے

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمان الرحیم

فکر و نظر

غیر اسلامی تعلیم و تربیت اور اس کے نتائج

نام نہاد ترقی یافتہ اقوام کی تقلید میں ہمارے ہاں جس تعلیم و تہذیب کا دور دورہ ہے اور نوجوان نسل جس طرح اس کا شکار ہو رہی ہے۔ اس نے اسلامی تہذیب و تمدن اور مشرقی روایات کو ایسی بری طرح سے ڈائنا میٹ کیا ہے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، چند سالوں میں دیکھتے ہی دیکھتے ہماری سوسائٹی یورپ کی ذہنی غلام ہو گئی ہے۔ ہمارے ادارے، ہمارے مراکز، ہمارے دار العلوم اور تربیتی سنٹر سب یورپ زدگی کے مریض ہو گئے ہیں، ہمارا انداز فکر، ہماری معاشرت، ہمارا طرز زندگی اسلامی سادگی کو ترک کر کے عیسائیت کا نقال یا دیگر غیر اسلامی، بلکہ اسلام دشمن قوموں کے نقش قدم پر چلنے پر فخر محسوس کر رہا ہے۔ اس قلب ماہیت کی وجہ سے اسلام پر سے اعتماد اور ایمان باللہ کو سخت ٹھیس لگی ہے۔ قرآن، اسلام اور ہادیٔ اسلام کی عظمت بالکل کم ہو گئی اور سرِ عام نوجوان نسل نہ صرف اسلامی کلچر کا مذاق اڑا رہی ہے، بلکہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ہمچو قسم کے اصحاب قلم اسلام کو مسخ کرنے میں لگے ہوئے ہیں، عہد حاضر کے ایسے اکثر مدعیانِ ثقافتِ اسلامی اسی مغربی مرعوبیت کا شکار اور تجدد پسندی کے مریض ہیں، اور وہ اسلام کو بلا واسطہ اپنا ہدف بنانے کے بجائے "ملاں" کو تختۂ مشق بنا کر عوام کے دلوں سے اسلام کی وقعت کو زائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کے نزدیک عہد حاضر کے لادین نظریات اور لادین سائنس

کو مذہب پر بالادستی اور اسلامی نظریات کو کھینچ تان کر ان کے مطابق کر دینا ہی معارف پروری ہے، وہ خود بدلنا نہیں چاہتے البتہ دین کو بدل دینا چاہتے ہیں، حتیٰ کہ خود عہد نبوی اور صحابہؓ کے دور کی قرآنی تاویلات اور دینوی تعلیمات سے ہر جدت کا جواز پیدا کرنا ان کا بزعم خویش علمی مشغلہ ہو گیا ہے، بلکہ حسن پرستی، امرد پرستی، گانا بجانا۔ راگ ورنگ اور آلات مزامیر تک کو اسلام سے ثابت کیا جا رہا ہے یہ سب ہماری انگریزی تعلیم اور انگریزی ذہنیت پر مبنی نصاب تعلیم کی برکات ہیں

یہ حقیقت ہے کہ جس قوم کی زبان مروج ہو گی اسی قوم کی تہذیب کی ترویج ہو گی۔ ظاہر ہے کہ جب پاکستان میں ہم نے انگریزیت کو سر کا تاج بنا کر رکھا ہے تو یہاں مکہ و مدینہ عرب و حجاز اور اسلام و قرآن کے تمدن کو اپنایا نہیں جا سکتا۔ تعجب کا مقام ہے کہ جس مذہب (اسلام) کو اول روز سے ہی عیسائیت و یہودیت نے اپنا حریف اور دشمن نمبر اقرار دے رکھا ہے ہم نے اسی دشمن کے ہاں اپنی متاع ایمان چند چمکدار کھوٹے سکوں کے عوض بیچ دی ہے، حالانکہ ہمارا قرآن بار بار ہمیں یہود و نصاریٰ سے الگ رہنے کی دعوت دے رہا ہے

یورپی معاشرہ

تعلیم کو انسان کی سیرت سازی اور تعمیر اخلاق میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات نے تمام اخلاقی برائیوں کا قلع قمع کیا ہے، بلکہ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں اخلاق کی تکمیل ہی کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس کے برعکس یورپین زبان اپنے مخصوص کلچر کی حامل ہے اور اس کا کلچر یورپ کے ڈانس گھروں میں بخوبی جا کر دیکھا جا سکتا ہے، جہاں ہر شخص اس بارہ میں آزاد ہے کہ ہر شخص کی ماں، بہن، بیٹی بیوی کے ساتھ بازو میں بازو ڈال کر سینہ سے سینہ ملا کر نہایت شرمناک انداز میں گھنٹوں ناچ کر سکتا ہے۔ اور اسے ایک اعلیٰ درجہ کا معاشرتی شرف سمجھا جاتا ہے۔ یورپ میں زناکاری، اغوا، بالجبر مرد و عورت کا کھلا اختلاط، سڑکوں پر حیا سوز گشت، سینماؤں میں فحاشی کی نمائش، باغات اور سیر گاہوں میں مخلوط شرمناک تفریح۔ دفتروں، تجارتی اداروں، تعلیمی مرکزوں،

بنکوں، دوکانوں غرضیکہ سب جگہ بد کردار مرد و عورت اکٹھے کام کرتے اور مادر پدر آزاد زندگی بسر کرتے ہیں، بلکہ تکلف برطرف نوڈازم (NOODISM.) کی تحریک یورپ بھر میں رائج ہو رہی ہے، وہ ایسی کلبیں ہیں جہاں مرد عورت مادرزاد ننگے رہتے ہیں اور اسے فطری اور پیدائشی قرار دیتے ہیں۔ یورپ کے سینماؤں میں مار دھاڑ کی فلمیں، جرائم کی ٹریننگ، چوری، ڈاکہ، لوٹ کھسوٹ اور رہزنی کی عملی تربیت کے لئے سینمائی مناظر دکھائے جاتے رہیں۔ اب یہی چیز ہم نے انگریزی طرز تعلیم کے ذریعہ اپنے ملک میں رائج کر لی ہے۔

تعمیر اخلاق میں تعلیم کا حصہ

انگریز کی ہندوستان میں آمد سے پہلے ہماری ساری تعلیم قرآن کی تعلیم پر مشتمل تھی۔ مسجدیں ہمارے مراکز تھے۔ اُردو کی تعلیم بھی ہمارے اخلاقیات عالیہ کی علمبردار تھی، سبق سبق میں مسائل اور اخلاقی قصے کہانیاں پڑھائی جاتی تھیں۔ فارسی، عربی سیکھنا ہر طالب علم کے لئے ضروری ہوتا تھا۔ ہندو اور غیر مسلم بھی ہماری مساجد میں مسلمان طلبا کے ساتھ پڑھنا قابل فخر سمجھتے تھے، ہم نے خود ایسے ہندو اہل قلم حضرات کو دیکھا ہے اور کئی ہندو مصنفوں کی کتابوں میں ان کی سیرت و سوانح کے ذیل میں پڑھا ہے کہ انہوں نے عربی۔ فارسی اور اردو کی تعلیم مسجد کے پیش امام سے حاصل کی۔ خود انگریز کے ہندوستان سے رخصت ہونے کے وقت تک ہماری سکول تعلیم میں اعلیٰ درجہ کی عربی فارسی کی تعلیم کا غالب عنصر تھا۔ فارسی میں گلستان، بوستان، پند نامہ شیخ عطار وغیرہ کتابیں طلبا کو ازبر تھیں، چھ کلمے، نماز با ترجمہ، روزمرہ کے مسائل، غرضیکہ قریباً قریباً زندگی کے اکثر معاملات میں رہنمائی اور اخلاقی تعلیمات سے واقفیت ہمارے طلبا کو میسر تھی۔

موجودہ نصاب سے اخلاقی تعلیم کا اخراج

جونہی فرنگی یہاں سے رخصت ہوا ہم نے چن چن کر اپنے نصاب کو دین و اخلاق کی تعلیم سے پاک کر دیا، اور یورپین کلچر کی ایک ایک برائی کو اس میں سمونے کی کوشش شروع کر دی۔ اب حد یہ ہے کہ نہ صرف ہمارے

نصاب میں عربی، فارسی اور اردو ناپید ہو گئی ہے، بلکہ خلافِ اسلام غیر مسلم مستشرقین کے مضامین شامل کر دیئے گئے ہیں، جس میں قرآن کریم، اسلام کی اکثر تعلیمات اور حدیث ہے کہ خود ہادیٔ اسلام کے خلاف ایسے مضامین موجود ہیں جن میں آنحضرتؐ پر تنقیدیں کی گئی ہیں، کہیں اسلام پر بزورِ شمشیر پھیلانے کا الزام ہے۔ کہیں اسلام کو غلامی کی سرپرستی کا مجرم گردانا گیا اور کہیں اسلامی قوانین کو جابرانہ، ظالمانہ اور بے رحمانہ قرار دیا گیا ہے اور کہیں حضورؐ کی پاک سیرت کو ایسے انداز میں پیش کیا ہے، جس سے پڑھنے والے کے دل میں حضورؐ کی عظمت کم ہو جاتی ہے، مثلاً تعدادِ ازواج کے سلسلہ میں بہت بدنام کیا گیا ہے اور ایسے ایسے من گھڑت قصے ہیں کہ انہیں سن کر تعجب ہوتا ہے، پھر ہمارے سکولوں کالجوں کی تعلیمی امداد کے لئے جو غیر ملکی لائبریریاں کھولی گئیں ہیں۔ ان کا اکثر و بیشتر لٹریچر اس قدر زہر آلود ہے، کہ کوئی مسلمان اس کا سننا بھی گوارا نہیں کر سکتا لیکن ہمارے نوجوان ان امریکن اور برٹش لائبریریوں میں نہایت ذوق و شوق سے جاتے اور اس لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور ان لائبریریوں میں مفت سروس کے لئے نازک اندام یورپین عورتیں ہمارے نوجوانوں کے اخلاق کو متزلزل کرنے کے لئے موجود رہتی ہیں ہمارا نوجوان طالب علم سمجھتا ہے کہ یہ ان ممالک کی عالی حوصلگی معارف پروری سیر چشمی اور علوم نوازی ہے، حالانکہ یہ دراصل ہمارے متاعِ صبر وایمان پر ایک ڈاکہ ہے اور ہماری نوجوان پود کے اخلاق کی قتل گاہیں ہیں۔

تعلیم ہی رہزن بنا رہی ہے

اس ناقص تعلیم اور غیر اسلامی نصاب کا ہی یہ اثر ہے کہ ہمارے ملک کا نوجوان جو اپنی بہن کی عصمت و عزت کا محافظ تھا اب خود ہی ان کا ڈاکو رہزن اور قاتل بن گیا ہے۔ سکولوں کالجوں کے نوجوان ٹھٹ کے ٹھٹ بازاروں گلیوں سیر گاہوں، شاہراہوں غرضیکہ ہر جگہ نوجوان لڑکیوں کے تعاقب میں سرگرداں رہتے ہیں، سینماؤں میں عورتوں کو تلاش کرتے ہیں، عصمت فروشی کے اڈوں پر دادِ عیش دیتے ہیں۔ نوبت بر ایں جا رسید کہ

زنانہ کالجوں کے دروازوں پر مسلح پولیس کا پہرہ ناگزیر ہو گیا ہے

ہمارے طالب علم ۸۰ فیصد سگریٹ نوشی کے عادی ہیں، ۹۰ فیصد طلبا سینما کو ایک جزو زندگی اور لازمۂ حیات تصور کرتے ہیں، ۳۰ فیصد طلبا شراب کے رسیا ہیں۔ ایک بہت بڑے ذمہ دار پولیس آفیسر نے چند سال ہوئے ملکی جرائم کے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے اعتراف کیا تھا کہ اکثر و بیشتر جرائم میں نوجوان طلبا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ انقلاب چرخ گردوں تو دیکھئے کہ جو مسلم نوجوان غیر مسلم اور کافر عورتوں تک کی عصمت کی حفاظت کو ضروری اور ایک انسانی عظمت خیال کرتا تھا، اب اپنی حقیقی بہن کے ذریعہ اس کی ہم جماعت طالب علم لڑکیوں کی عصمت کے آبگینوں سے کھیلنے میں ایک فخر محسوس کرتا ہے اور اپنی چنڈال چوکڑی میں اس کا فخریہ اظہار کرتا ہے، یہ سب ہماری موجودہ تعلیم کے برگ و بار نہیں تو کیا ہیں؟

ہمارے فارغ التحصیل طلبا کے اوصاف

ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے موجودہ فارغ التحصیل طلبا جو کالجوں سے گریجوئیشن یا ایم، اے کر کے عام سوسائٹی میں داخل ہوتے ہیں، عام طور پر حیوان سے بھی بدتر ہوتے ہیں، عام معمولی اخلاقی تقاضوں سے بھی ناواقف ہیں الا ماشاء اللہ ہاں وہ خوش قسمت جنہیں گھریلو علمی، اخلاقی اور دینی ماحول مل گیا ورنہ شرم و حیا قسم کی کوئی چیز ان میں نہیں ہوتی۔ یہ لوگ نماز سے اکثر متنفر ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو سلام کرنا، محبت سے پیش آنا، بڑوں کی عزت کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، خدمتِ خلق سرانجام دینا، والدین کی عزت کا خیال رکھنا، اور ان کی اطاعت و عزت کرنا، گھریلو فرائض بجا لانا۔ والدین کی تکالیف کا احساس کرنا، تحمل مزاجی، بردباری اور سلامت روی کا مظاہرہ کرنا، سادہ غذا و خوراک کو قبول کرنا، وقتی تقاضوں کو سمجھنا، معاشرے میں امن و سلامتی کو ترجیح دینا، چغل خوری اور بہتان طرازی سے بچنا، چوری اور خیانت کو برا سمجھنا، خود غرضی، آسائش اور عیش کوشی سے مجتنب رہنا۔ یہ باتیں ان کے ہاں ناپید ہیں۔ حیرانی ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں نے کیسی عجیب مخلوق کو جنم دے کر ہمارے ملک و ملت کو ایک عجیب تباہ کن کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے

بنک ڈکیتی، فراڈ کیس، قتل اور دیگر معاشرتی جرائم میں اکثر اسی نو تعلیم یافتہ نسل کا ہاتھ ہوتا ہے، ہم نے دیکھا کہ ایک ایسے ہی نوجوان نے اپنی نوجوان معصوم بیوی کو مکان کی تیسری منزل سے صرف اس جرم میں گرا یا کہ اس کے والدین اسے اپنی غریبی کی وجہ سے "معقول" جہیز نہ دے سکے۔

مخلوط تعلیم کے مہلک اثرات

کالجوں میں مخلوط تعلیم کے اثرات ان فارغ التحصیل نوجوانوں کی زندگیوں میں زہر آلود نقوش چھوڑ جاتے ہیں، وہ بات بات میں اپنی ہم جماعت لڑکی کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔ ان کی اداؤں، ان کی سرگرمیوں اور ان کے ہنسی مذاق کے فقرات ان کی زندگیوں کا سرمایہ حیات بن جاتے ہیں، وہ گاہے بگاہے اور حیلہ بہانہ سے انکو اپنے ہاں دعوت دینے میں کمال انسانیت سمجھتے ہیں، اور اکثر و بیشتر اس میل ملاقات کے نتائج شرمناک صورت میں سامنے آتے ہیں، بیشتر خاندانوں کی عزت خاک میں مل جاتی ہے اور ناجائز مخلوق کی پیدائش سے کئی خاندانوں کا سکون اور کئی لڑکیوں کا مستقبل تباہ ہو جاتا ہے کیا ہماری یونیورسٹیوں کے ارباب اختیار کو معلوم نہیں کہ ہمارے ان دانش کدوں میں کیا ہو رہا ہے؟

بات یہ ہے کہ ان کے ہاں مسلسل انگریزی ماحول کی وجہ سے نیک و بد اور حرام و حلال کی تمیز ہی ختم ہو گئی ہے، ہم نے خود ایک مسلمان انگریزی زدہ سکالر سے سنا کہ زنا میں کیا خرابی ہے؟ یہ تو انسانی بھوک اور اس کی قدرتی غذا ہے۔ اسے حدود و قیود کی زنجیروں میں جکڑا نہیں جا سکتا۔ ہم نے دیکھا کہ اکثر و بیشتر طالب علم و طالبہ والدین کی مرضی کے خلاف باہمی زوجیت میں منسلک ہو گئے، لیکن جلد ہی خانہ جنگی، دشمنی اور تنسیخ نکاح سے بڑھ کر معاملہ قتل و غارت تک پہنچ گیا۔

مخلوط تعلیم ہمارے کالجوں اور ہماری یونیورسٹی میں جو گل کھلا رہی ہے، کیا وہ ہمارے ارباب تعلیم سے پوشیدہ ہے؟ وہ کون سی بے راہ روی ہے، جو ان علم کے ایوانوں، ان ہوسٹلوں اور ان دانشکدوں میں روا نہیں رکھی جاتی ہے، ان بے غیرت والدین کے متعلق کیا کہا جائے۔ جنہوں نے تہذیب کے نام پر

اپنی عزت کے آبگینوں کو یوں بے رحم حوادث کے سپرد کر دیا ہے ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا تھا ع

شرم ان کو نہیں آتی غیرت اُن کو نہیں آتی

مخلوط تعلیم سے جو برگ و بار پھوٹ رہے ہیں، ان کے متعلق تفصیلی حالات کا جائزہ انشاء اللہ آئندہ کسی اشاعت میں لیا جائے گا۔ مختصراً یہی کہنا ہے کہ دردمندانِ ملت نے اگر فحاشی، بدمعاشی اور بے راہ روی کا فوری انسداد نہ کیا تو یہ آتش سیّال لاوا اس نظریاتی مملکت کے اخلاق اور اسلام کے علاوہ غیرت و حمیت کو بھی بہا کر لے جائیگا۔ اور ہمارے یہ کالجیٹ نوجوان یورپ کے مادر پدر آزاد مرد و عورت ہپیوں کی طرح جگہ جگہ مارے مارے پھرتے نظر آئیں گے، پھر خدا کا کوئی قہر ہی ان کا خاتمہ کر سکے گا۔

ہمارے نوجوان طالب علموں کی اجتماعی نفسیات کی روشنی میں ان کے کیریکٹر اور اخلاق جاننے کے لئے ایک صاحب سید مظہر علی صاحب چوک نواب صاحب لاہور کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیے، جو اخبار کوہستان ۲۶ مئی ۷۱ء میں شائع ہوا ہے جو بلا تبصرہ درج ذیل ہے۔

مجھے ۱۷/۵ ۱۳ سندھ ایکسپریس ۱۱۵- اپ کراچی سے لاہور آنے کا اتفاق ہوا۔ گاڑی کراچی کینٹ پر پہنچی تو پلیٹ فارم پر ڈھولک پر ناچ دیکھنے میں آیا، طالب علم شتر بے مہار کی طرح پلیٹ فارم پر اودھم مچا رہے تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ عزیز طلبا کی ایک پارٹی لاہور جا رہی ہے، گاڑی کے مسافروں پر اس پارٹی نے تمام راہ عرصہ حیات تنگ کئے رکھا، ہر جنکشن پر یہ لڑکے باقاعدہ ڈھولک بجاتے عورتوں کے کمپارٹمنٹ کے آگے خوب ڈانس کرتے، ٹنڈو آدم کے قریب نہر پر گاڑی کی زنجیر کھینچ کر گاڑی روکی اور باقاعدہ نہر میں نہا کر گاڑی کو چلنے کا موقعہ دیا، خانیوال سٹیشن پر چھابڑی والوں کی چیزیں خورد برد کرلیں۔ رینالہ خورد سٹیشن پر فاصلے کی ایک BOOKED ٹوکری اٹھا کر کمرے میں رکھ لی، اور واپس نہیں

کی، راستہ بھر گاڑی لیٹ ہوتی رہی۔ یہ ہے ہمارے طلبا کا کریکٹر؟

یہ ہیں ہمارے ملک کے علمی اداروں میں تربیت حاصل کرنے والے وہ طلباء جن کے ہاتھوں میں ملک کی باگ ڈور آنے والی ہے۔ ان سطور کو پڑھتے وقت یہ بھی ذہن میں رہے کہ ابھی ملک میں شدید قسم کا مارشل لا نافذ ہے۔ اور ملک میں ملٹری گشتی عدالتوں کی معدلت گستری کے ہاتھوں سینکڑوں غنڈوں پر کوڑے برس رہے ہیں۔

شرم و حیا سے لباس کا تعلق

اخلاق اور شرم و حیا کے ساتھ لباس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر لباس حیادار نہیں تو صاحب لباس حیادار کیسے ہو سکتا ہے؟ ہمارے کالجوں میں مخلوط تعلیم کے تدریجی اور ارتقائی منازل کے نتیجے میں طلبا اور طالبات نے جو لباس اپنایا ہے۔ افسوس کہ وہ انتہائی شرمناک اور بے حیائی کا مظہر ہے، کوئی شریف آدمی اسے گوارا تو کیا دیکھنے کی بھی تاب و مجال نہیں رکھتا۔ اس کے غیر شریفانہ ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ گورنر پنجاب کو حکماً اس لباس کو ممنوع قرار دینا پڑا۔

ہمارے ہوسٹل

ہمارے کالجوں کے ہوسٹلوں میں کیا ہوتا ہے؟ ہم ان کا مکمل نقشہ کھینچنے کی تاب نہیں رکھتا۔ گویا اس اجتماعی نفسیات پر مکمل شیطان کا تسلط ہوتا ہے، گانا بجانا ہزلیات، فلمی ریکارڈنگ، عشقبازی کے ذاتی تجربات اور رنگ و بو کی دنیا کی آپ بیتیاں، سینما اور ایکٹرسوں کے واقعات اور تبصرے ایک دوسرے کے مال میں چوری اور سینہ زوری مطبخ میں کمی بیشی۔ کوئی بزرگ آجائے تو شرمناک مذاق، حالانکہ یہی ہوسٹل ہماری تربیت کے سنٹر ہوتے چاہئیں چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ علی گڑھ یونیورسٹی کو تعلیمی اوقات سے زیادہ ان اقامتی اداروں کی اخلاقی تربیت کا ناز تھا۔ ان ہوسٹلوں میں شراب تک کے دور چلتے ہیں۔ اختلاط باہمی کے سارے فتن و شرور کے دروازے کھلتے ہیں جو ایک مسلمان تو کجا ایک عام انسان کے نزدیک بھی انتہائی کربناک ہیں۔

یہ ہے اجمالی نقشہ ہماری تعلیم اور ہمارے موجودہ تعلیمی نصاب کا، اور اس کے ذریعہ نونہالانِ ملت کے سیرت و کردار کا آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ قوم و ملت اور مذہب کا مآل کیا ہونے والا ہے۔ مجھے تو بار بار حضرت اکبر الہ آبادی کا وہ شعر یاد آتا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی؟

(عبدالغفار اثر)

طلبہ کے لئے خوشخبری

موجودہ دور میں دینی مدارس میں کتاب و سنت کی تعلیم کیساتھ عصری علوم کی جس شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے، وہ اصحابِ علم و بصیرت سے مخفی نہیں، اسی مقصد کے پیشِ نظر چند سال قبل علماء و ماہرینِ تعلیم کے گذشتہ ستر اسی سالہ اصلاحی تجاویز کی روشنی میں ایک تعلیمی و تربیتی منصوبہ تیار کیا گیا اور مدرسہ رحمانیہ گارڈن ٹاؤن لاہور میں اس کی ابتداء کی گئی، جس سے بفضلہ تعالیٰ دو سال کے قلیل عرصہ میں بہترین نتائج نکلے ہیں۔ امسال چار طلبہ نے دینی علم کے ساتھ مڈل کا امتحان اور تین نے میٹرک کا امتحان بورڈ سے دیا ہے۔ ہمارا مقصد ایسے علماء تیار کرنا ہے۔ جو کتاب و سنت کی تعلیمات کو عصرِ حاضر کے تقاضاؤں کے مطابق پیش کر کے اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر رائج کر سکیں۔

مدرسہ کے نصابِ تعلیم میں تخفیف کیساتھ اس بات کا خصوصی لحاظ رکھا گیا ہے کہ جملہ علوم کی تعلیم معیاری ہو، اس کے لئے علوم کو تین حصوں میں تقسیم کر کے تعلیمی اوقات کی تین شفٹیں بنا دی گئی ہیں یعنی دینی علوم (صبح ۳ گھنٹے) عربی علوم (دوپہر ۲ گھنٹے) عصری علوم (سہ پہر ۲ گھنٹے)، اسی طرح قابل، کہنہ مشق، دینی اور دنیاوی علوم کے ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئی ہیں مندرجہ ذیل علماء مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے زیرِ نگرانی تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

حافظ ثناء اللہ صاحب کلسوی فاضل مدنی، مولانا عبدالسلام صاحب کیلانی فاضل مدنی، شیخ مزمل احسن صاحب ایم اے بی ایڈ، مولانا لیاقت صاحب بی اے بی ایڈ

دیندار اور محنتی طلباء کیلئے یہ ایک قیمتی موقعہ ہے، مدرسہ میں ۱۵ رجون ۱۹۷۱ء تا ۱۵ جولائی تعطیلات گرما ہونگی، جس کے دوران داخلہ جاری رہیگا۔ پرائمری پاس اور مڈل پاس طلبہ کیلئے خصوصی موقعہ ہے ——— مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ قائم کریں۔

حافظ عبداللہ (روپڑی) مدرسہ رحمانیہ (رجسٹرڈ) گارڈن ٹاؤن لاہور (۱۶)

علامہ نواب سید محمد صدیق حسن خان قنوجیؒ

ماہِ ربیع الآخر

اس مہینے کی فضیلت کے متعلق حدیث کی کسی کتاب میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ شیخ عبدالحق دہلوی نے اپنی کتاب "ماثبت بالسنۃ" میں لکھا ہے کہ "اس ماہ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی وفات ہوئی تھی، اور ان کا عرس ۹ تاریخ کو ہوتا ہے اور مشہور گیارہویں تاریخ ہے" یہ لکھنے کے بعد انہوں نے عرس کے استحسان کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مسلمان عالم یا صوفی کے کسی مہینہ میں فوت ہونے سے اس مہینے کی فضیلت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ بات ہوتی تو جن مہینوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے خلفائے راشدین اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وفات ہوئی جن مہینوں میں ائمہ اہل بیت اور دوسرے صالحین اور اولیاء اللہ فوت ہوتے ان سب مہینوں کو افضل ہونا چاہیے حالانکہ اس امر کے متعلق کسی آیت، حدیث یا کسی امام مجتہد کے قول سے معمولی سا بھی ثبوت نہیں ملتا۔ عرسوں کا بھی یہی حال ہے کہ ان کے متعلق بھی کسی قسم کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ملتی، ہاں اگر مشائخ میں سے کسی کی طرف ایسا قول منسوب کیا جاتا ہے۔ تو وہ حجت نہیں ہو سکتا دیگر غیر شرعی رسوم کی طرح عرس بھی ایک رسم ہے، اور یہ رسم ایک ایسی بدعت ہے، جس کی قیامت کے روز باز پرس ہوگی، شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں، "نسبت صوفیہ غنیمت کبریٰ است و رسوم ایشاں ہیچ نے ارزد"، ایسی رسوم کی کوئی اہمیت نہیں

عرس کی بدعت سے عوام الناس کی ایک کثیر تعداد پیر پرست اور قبر پرست ہو گئی ہے۔ اور لوگ عرس منانے کے لئے دور دراز کی منزلیں طے کر کے پہنچنے لگے ہیں، حالانکہ صرف زیارت قبر کے لئے بھی سفر کرنا شرعاً ثابت نہیں اور اس سفر میں تو قبر کی زیارت کے علاوہ رسوم عرس بھی پیشِ نظر ہوتی ہیں۔

تاریخ وفات کو عرس (خوشی اور شادی) کا دن قرار دینا، خدا اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر

ایک جرأت ہے۔ کیونکہ کوئی وفات خوشی کی مصداق تب ہی ہو سکتی ہے، جب کہ پورا یقین ہو جائے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے۔ لیکن یہ بات ان لوگوں کے سوا جن کی مغفرت کی شہادت یا جن کو جنت کی بشارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، کسی اور شخص کو حاصل نہیں خواہ وہ شخص کتنا ہی بڑا عابد، زاہد، صالح، عالم، عامل، متقی اور ولی کیوں نہ ہو، اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے، اور کتب دین سے بھی یہی واضح ہوتا ہے، ہاں جس شخص کو ہم متقی، صالح اور عابد و زاہد دیکھتے ہیں، اس کے حق میں ہمیں حسن ظن رکھنا چاہیئے۔ لیکن یہ گمان اس امر کا مقتضی نہیں کہ ہم ان کی وفات کے دن کو خوشی کا دن قرار دے کر (قبر پر یا گھر میں) ایسی ایسی رسوم ادا کریں جن کا حکم ہمیں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہیں ملتا۔

یہ رسوم عرس ان بدعات میں شامل ہیں، جن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو اسلام میں ایسے امور شروع کرے جو اس میں نہیں ہیں۔ تو وہ اس قابل ہیں کہ انہیں رد کر دیا جائے"، اور دوسری حدیث میں ہے کہ "جو شخص ہمارے حکم کے علاوہ کوئی نیا کام کرے وہ رد کر دینے کے قابل ہے" اور ایک تیسری روایت میں بھی ایسے ہی الفاظ ملتے ہیں۔[1] اور حدیث کے یہ الفاظ ہر نئے پیدا شدہ امر پر حاوی ہیں۔ کوئی ادنیٰ اور اعلیٰ بدعت اس دائرے سے خارج نہیں، یہ حدیث جس طرح بدعت کی بیخ و بن اکھاڑتی ہے اس کی وضاحت "نیل الاوطار" میں بڑے اچھے انداز سے کی گئی ہے، اور "دلیل الطالب" میں بھی نقل ہے۔

---

[1] عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَلَفْظُهٗ مَنْ صَنَعَ اَمْرًا عَلٰى غَيْرِ اَمْرِنَا فَهُوَ رَدٌّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ،

ڈاکٹر تقی الدین الہلالی
پروفیسر مدینہ یونیورسٹی

مولانا عبدالسلام کیلانی مدنی (مترجم)

(قسط دوم)

تعلیم و تربیت نسواں

افراط و تفریط کے درمیان اسلام کی راہ اعتدال

ہمارے پہلے آباؤ اجداد جو اپنے عمل و اخلاق، تہذیب و تمدن اور معاشرتی ترقی کی بدولت، ساری دنیا کے پیشوا تھے، جن کی طرف ہماری نسبت ایک ناخلف کی ہی حیثیت سے ہو سکتی ہے۔ ان کا طرز عمل عورتوں کے معاملہ میں درست تھا، کیونکہ ان کے ہاں عورت اگر ایک طرف معاشرے کی متحرک روح اور چاق و چوبند فرد تھی جو علم و عمل کے خانگی، زرعی اور جنگی میدانوں میں مرد کے شریک کار ہوتی تو دوسری طرف ان تمام ذمہ داریوں کے باوجود بھی وہ باپردہ رہتی جو اس کی شرافت و ناموس کا محافظ ہوتا، اگر کوئی شخص اس کا کسی قسم کا حق دبا لیتا تو حق کے حصول سے اس کا حجاب کبھی مانع نہ ہوتا اور نہ ہی صلح و جنگ کے امور میں مرد کے ساتھ تعاون کرنے میں رکاوٹ بنتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف کیا مرد اور کیا عورتیں سب تہذیب و تمدن کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے۔ قرآنی تعلیمات نے عورت کی ترقی میں کبھی رکاوٹ نہیں ڈالی بلکہ اسی مبارک کتاب کی پاکیزہ تعلیمات کا معجزہ تھا کہ عورت کی آبرو اور شرافت کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اسے معاشرہ میں اعلیٰ مقام ملا۔

لیکن ہمارے پچھلے آباؤ اجداد جب دین و دنیا کی علمی اور صحیح عملی راہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے عفت اور خلق کے بلند معیار قائم کرنے سے عاجز آگئے اور شرع محمدی کی حدود نافذ کرنے سے قاصر رہے تو انہوں نے فرار اور چھپنے کی راہ اختیار کی اور (بقول شما) پردہ میں غلو کر کے عورتوں کو گھروں میں زندہ درگور کر دیا۔ اگر اشد ضرورت پڑنے پر نکلیں بھی تو انہیں صرف ایک آدھی آنکھ کھولنے کی اجازت دی۔

ان کی آواز تک کو موجب شرم قرار دیا، ان کا محرموں اور خاندوں کی موجودگی میں بھی مردوں سے خواہ وہ کتنے صالح ہوں بات تک کرنے کو بے حیائی پر محمول کیا۔ پھر معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ اسے لکھنے پڑھنے سے بھی محروم رکھا جس سے ان کی وراثت، خرید و فروخت، شہادت اور وکالت کے حقوق اور دیگر ہر قسم کے تصرفات اور اختیارات ضائع ہو گئے جو انہیں اسلامی شریعت نے عنایت فرمائے تھے۔

ایسی عورتوں کی حالت زار زندوں کی بجائے مُردوں سے زیادہ ملتی جلتی ہے، بلکہ معاملہ اس سے بھی تجاوز کر چکا ہے کہ کنواری لڑکیاں اور دوشیزائیں حجاب کی ناجائز سختیوں کے اندھیروں میں ایسی گم ہوئیں کہ انہیں ان کے والدین اور بھائی بہنوں کے علاوہ دوسری کوئی عورت بھی نہیں دیکھ پاتی، اس طرح اس سنت مطہرہ پر عمل جاتا رہا ہے۔ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَتَزَوَّجَ امْرَأَةً فَلْيَنْظُرْ إِلَيْهَا

فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَهُمَا،

"جب کسی عورت سے نکاح مطلوب ہو تو اسے قبل از نکاح دیکھ لے کیونکہ اس سے محبت بڑھنے کی زیادہ توقع ہے"

یعنی اگر وہ تخلیہ کی ملاقات اور مقام تہمت سے گریزاں ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ لیں تو اس سے اتفاق پیدا ہونے کی زیادہ توقع ہے۔

ان غیر شرعی تکلفات کے نتیجہ میں جو جرائم منظر عام پر آتے ہیں، وہ نہایت کثیر التعداد اور آئے دن پیش آنے والے ہیں، چنانچہ نکاح شادی کے موقعوں پر فریب کاری اور دھوکہ دہی کی کافی مثالیں سامنے آتی ہیں مثلاً کسی شخص کی دو بیٹیاں ہوں جن میں سے ایک خوبصورت جس کا نام لیلیٰ اور دوسری بدصورت جسے دعد کہتے ہوں اگر کوئی خوبصورت سے نکاح کا پیغام دے کر بھیجتا ہے۔ تو چونکہ نہ وہ انہیں پہچانتا ہے اور نہ ہی وہ بڑھیا عورت انہیں جانتی ہے، جو اس کی طرف سے پیغام لے کر جاتی ہے تو اہل خانہ مغالطہ دے کر کہ خوبصورت دعد ہے، بدصورت سے نکاح کر دیتے ہیں، جس کا خمیازہ اسے

بھگتنا پڑتا ہے اور اس کا مال ضائع جاتا ہے۔

اگر اصحاب فہم و فراست اور نیک لوگ ایک تحریک کی شکل میں اس رواج کو ختم کرنے پر تل جائیں اور عورت کو وہی مقام دیں جو اسے دور نبوت میں نصیب تھا جس کا مظہر بعض دیہاتوں میں آج تک موجود ہے اور اس کے ساتھ نظر کی حفاظت کی تلقین بھی کریں تو ان کا تعاون نہایت ضروری ہوگا۔ لیکن وہ لوگ جو آزادیٔ نسواں کے داعی اور اس کے حقوق کے (نام نہاد) نگران ہیں ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جن کی امت مسلمہ کے دل میں کوئی عزت ہے اور نہ ہی ان پر کوئی اعتماد — کیونکہ ان کے پاس اخلاق ہے نہ غیرت، انہیں آبرو کا پاس ہے نہ عزت و ناموس کا کچھ لحاظ۔ عوام ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ اس تحریک کے در پردہ ایسے ارادے رکھتے ہیں جو بھیڑ بکریوں کے گلے میں بھیڑیے کے ہوتے ہیں۔

اور یہ چیز بھی ان لوگوں کو معلوم ہے کہ مستورات کو حجاب کی ناجائز پابندیوں سے اگرچہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن منہ کھلا چھوڑ کر، حسن و جمال کی نمائش کرتے ہوئے آبرو کی قدر و قیمت ختم کر دینے میں جن مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے ان کا کوئی کنارہ نہیں، عورت کی طرف سے ایسے اقدامات نہایت خطرناک اور دوزخ میں لے گرنے والے کناروں پر استوار ہیں۔ عورت کی اس مصیبت کا حل نہ تو کوئی ڈاکٹر کر سکا اور نہ ہی کوئی تعویز گنڈے کرنے والا، بلکہ لوگ اس کے معاملے میں دو گروہ بن گئے ایک افراط کی راہ پر چل نکلا اور دوسرا تفریط میں گم ہو گیا۔

آزادیٔ نسواں کے دعویدارو! خدا گواہ ہے اگر ہمیں یہ یقین ہوتا کہ تم واقعی عورتوں کی ناگفتہ بہ حالت کی اصلاح میں فہم و فراست اور عقل و خرد کے مضبوط اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نیکی اور سعادت کو نصب العین بناؤ گے۔ اور یہ کوشش کرو گے کہ وہ مامتا کے زریں اصول میں کمال حاصل کرتے ہوئے نیک اولاد جنیں گی۔ اور ان کی گھریلو زندگی خوشگوار اور سعادت سے لبریز ہوگی۔ تو ہم تمہاری امداد و نصرت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتے۔

لیکن ہم نے تمہاری طبیعتوں کو اوچھا اور تمہاری نیتوں کو فاسد پایا۔ تم فریب کاری اور دھوکہ دہی سے کام لے کر سادہ لوح دوشیزاؤں کی آبرو لوٹتے اور دنیا کے پرخطر مراحل کو سبز باغوں کے جھکموں میں تبدیل کر کے ہر حیلے اور بہانے سے ان کا شکار کرتے ہو، تم انہیں زندگی کے ہر موڑ میں ایسی دشواریوں سے ہم کنار کرنا چاہتے ہو جو کسی دشمن کے ذہن میں بھی نہیں آتیں۔ اس لئے ہمارا یہ کہنا ہے کہ حجاب کی ناجائز سختیاں تمہاری اس تحریک کے درپردہ برآمد ہونے والے خطرناک نتائج کی نسبت بہت ہلکی ہیں۔ پھر تمہارا یہ کہنا کہ یہ فریب کاریاں اور حیلہ تماشیاں، جن کا نتیجہ شریف خاندانوں کی بربادی ہوا ہے، تم نے اہلِ یورپ کی اقتداء میں اختیار کیں یہ بھی نہایت تعجب خیز ہے، چنانچہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یورپ کے ترقی پذیر اس بے راہ روی کے موجد نہیں بلکہ یہ چیز انہیں اپنے (جاہل اور غیر شائستہ) اسلاف سے ورثہ میں ملی ہے۔ البتہ انہوں نے اس حالت کو تبدیل کرنے کی کوشش ضرور کی ہے، چنانچہ رپورٹ ملاحظہ ہو۔

"یہ چیز یقینی ہے کہ وہ ممالک جن میں اسلامی آداب و اخلاق ابھی باقی ہیں ان میں شادی کے نتائج شاندار(۱) رہتے ہیں۔ وہاں شادی شدہ عورتوں کی تعداد ۹۵ فیصد ہے اور یہ سب کچھ حجاب کی پابندیوں کے باوجود صرف اسلامی ہدایات کا کرشمہ ہے۔"

کیا آپ جانتے ہیں کہ جب ہٹلر نے یہ دیکھا کہ جرمن میں شادی شدہ جوڑے چالیس فیصد سے زائد نہیں تو قانون پاس ہوا کہ جو شادی کرے گا اسے پانچ ہزار مارک قرضہ یعنی اس زمانہ کے چار سو دینار دیئے جائیں گے۔ جس کی ایک قسط ایک بچہ پیدا ہونے پر معاف اور پانچ بچوں کا باپ بننے پر کل قرضہ معاف ہو جائیگا۔

(۱) مقصد یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی بدولت خاوند بیوی نکاح سے پہلے بوجہ پردہ ایکدوسرے کی عادات و خصائل سے ناواقف ہونے کے باوجود کامیاب اور خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں طلاق کی نوبت کبھی کبھار آتی ہے بخلاف اہلِ یورپ کے کہ وہ قبل از نکاح مدت تک ایک دوسرے کیساتھ عرصہ وابستہ رہنے کے باوجود جب صرف نام کے خاوند بیوی بنتے ہیں تو فوراً ناچاقیاں اور طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ اور یہ طلاقیں آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ ۱۲ مترجم

اور یہ بھی اعلان ہوا کہ ماؤں کو ہر سال فصل ربیع کے موقعہ پر انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔ ان کیلئے قیمتی تحائف اور بہترین ہدیے مخصوص کر دیئے گئے اور ایک حکم کے مطابق پانچ بچوں کے والدین کو تمام ٹیکس معاف کرنے کے علاوہ عمدہ ترین مالی امداد سے نوازا گیا۔

دوسری طرف غیر شادی شدہ مرد ہوں کہ عورتیں اگر وہ اچھی ملازمت پر فائز ہوں تو انہیں عالمی جنگ کے موقعہ پر اپنی آمدنی کا نہائی حصہ بصورت ٹیکس ادا کرنا پڑتا۔ ان سب احکام کے باوجود شہری ماحول میں شادی شدہ لوگوں کی تعداد چالیس فیصد سے نہ بڑھ سکی، ہاں دیہی علاقوں میں کچھ اضافہ ہوا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ دیہات کا نظام ہی ایسا ہے کہ ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر نہیں چل سکتا۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ شہری ماحول میں قلتِ نکاح کا ذمہ دار کون ہے؟ تو بغیر کسی شک و شبہ کے کہوں گا کہ اس کے ذمہ دار مرد ہیں۔ کیونکہ غیر شادی شدہ عورت خواہ امیر ہو خواہ غریب نکاح کی خواہش میں بے قرار رہتی ہے۔ اس کے لئے موضوع نکاح سے بڑھ کر کوئی موضوع دلچسپ نہیں خصوصاً ایسی بدنصیب عورت جو کسی شادی چور (بایرات شفندلر) کے دام فریب میں گرفتار ہو چکی ہو۔ کیونکہ بہت سی لڑکیاں فصل ربیع کے پھولوں کی مانند خوبصورت، خوش و خرم اور ناز و نعمت میں پلی ہوئی تھیں، ایسے لوگوں نے انہیں بدبختی اور حرمان نصیبی کے دوزخ میں جھونک کر ان کی زندگی کا ستیاناس کر دیا۔ یہ شیطان سیرت لوگ حسن و شباب اور بہترین وضع قطع لے کر شہروں میں داخل ہوتے ہیں، ان کی شکل و صورت، قد و قامت، شیرینی کلام، ہر قسم کے رقص کا تجربہ، فضول خرچی، حسن انتخاب اور خوبی تنقید دیکھ کر نوجوان لڑکیوں کے منہ میں پانی آجاتا ہے انہوں نے اپنے ارستقراطی نسبت کے مختلف نام رکھے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اس کا ثبوت مہیا کرنے کے لئے نقلی پاسپورٹ بھی پاس رکھتے ہیں۔ وہ ہمیشہ امیر گھرانے کی لڑکیوں پر ڈورے ڈالتے ہیں۔ ان کے سامنے دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ بہت بڑے سرمایہ دار اور امیر و کبیر گھرانے کے چشم و چراغ ہیں ۔ پھر بینک سے بھاری مقدار کا کوئی چیک لڑکی کے سامنے کیش کروا لیتے ۔ یا کسی شریک کار کو تار دے کر بہت بڑی رقم منگوا لیتے، ساتھ ہی اسے مختلف لڑکیوں کی تصویریں اور ان کے خطوط دکھاتے ہیں جو ان کے دھوکے میں آکر لکھنے لگتی ہیں)

وہ ان کی تصاویر دیکھ کر کہ یہ لڑکیاں اپنی شکل و صورت، ادبی معیار اور خاندانی شرافت کے باوجود اسے چاہتی ہیں تو وہ (بازی لینے کی نگہ میں) اس کے عشق اور فتنۂ محبت میں بڑھ جاتی ہے۔ جب اس کا داؤ ہر لحاظ سے مکمل اور اس کی عقل اس کے عشق میں اندھے ہونے کی وجہ سے کام نہیں کرتی تو وہ اچانک کوئی بہانہ تراشتا ہے کہ ایک بھاری مقدار کا چیک جو اس نے اپنے ماں باپ سے طلب کیا تھا، فلاں وجہ سے اس کی وصولی میں دیر ہو گئی۔ حالانکہ یہ وجہ بالکل بے بنیاد ہوتی ہے۔ لڑکی ناتجربہ کاری کی وجہ سے دھوکہ میں آ کر اس کی مرضی کے مطابق قرضہ لا دیتی ہے۔ جسے حاصل کرنے کے بعد وہ فوری سفر کا بہانہ بنا کر اور فوری واپس کا وعدہ کر کے ہمیشہ کیلئے چھوڑ جاتا ہے۔

بعض اوقات وہ حاملہ رہ جاتی ہے۔ لیکن یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کیونکہ نکاح ہونے سے پہلے وہ ایسی ادویات استعمال کرنے میں خاصی احتیاط اور باقاعدگی اختیار کرتے ہیں۔ جن سے حمل نہیں ہوتا۔ کیا آزادیٔ نسواں کے دعویدار یہ جانتے ہیں کہ اہل یورپ میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک سے متعلقہ عورت بھی مرد کی حمایت، نگرانی اور اس کی سرپرستی کی دست نگر رہتی ہے۔ اس کی اس ضرورت کو مال، علم، شرافت، حسب و نسب اور کسی قسم کا جاہ و جلال پورا نہیں کرتے۔ اس ضمن میں برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ کا قصہ مشہور ہے کہ وہ ایک روز خاوند کے کمرے پر آئی۔ دروازہ پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی:

"کون ہے؟"

کہنے لگی: "میں ملکہ ہوں"

جواب ملا:

"مجھے ملکہ کی ضرورت نہیں"

اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا، تلافی کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"دروازہ کھولیے! میں آپ کی پیاری وکٹوریہ ہوں"

"ہاں اب کھولتا ہوں" اس نے جواب دیا۔

تو اللہ نے ہر ذی روح مادہ کو خواہ بے زبان ہو یا ناطق اسے طبعی طور پر نر کا محتاج بنایا ہے۔ نیز اس کی طبیعت میں رب العزت نے مصنوعی نزاکت اور ناز و نخرہ بھی کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ عورت خواہ انتہائی ترقی پذیر ملک اور تہذیب میں کیوں نہ پروان چڑھی ہو، کسی صورت میں بھی وہ مرد کی حمایت سے مستغنی نہیں رہ سکتی۔

مجھے "بون"[1] "تشہریمی" "فرادوزی" نامی ایک عورت نے بتایا کہ وہ خاوند کی زندگی میں اس کی ایک معشوقہ کی وجہ سے خون کے گھونٹ پیتی رہتی۔ لیکن جب اس کی موت کی وجہ سے سارے کام ادھورے رہ گئے تو وہ اس کے فراق پر آنسو بہانے لگی۔ اگر وہ کسی فرم کو کوئی آرڈر بھیجتی ہے تو اپنے نام کا آخری حصہ جو اس کی نسوانیت کا غماز ہے حذف کر دیتی ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ مکتوب الیہ کو اس کی اس کمزوری کا علم ہو تو وہ آرڈر بک کرنے میں غفلت اور سستی سے کام لے۔

اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ بعض اوقات اس کے دروازے پر خلاف قانون کچھ مسکین صدقہ و خیرات مانگتے ہیں تو وہ بھکاری پر رحم کھا کر دروازے کی درز سے پیسے پھینکتی ہے تاکہ نہ وہ خالی جائے اور نہ ہی کوئی چور بھکاری کے بھیس میں اس کے گھر میں آگھسے۔

برلن[2] ہمارے پڑوس میں ایک عورت رہائش پذیر تھی۔ جس کے چھوٹے چھوٹے تین بچے تھے۔ پہلی عالمگیر جنگ میں فضائی حملوں کی خبر دینے میں جب خطرے کی گھنٹی بجتی تو اس کے ساتھ ہی عورت اور اس کے

(۱) مغربی جرمنی کا صدر مقام ہے۔

(۲) جرمنی کے مشرقی اور مغربی حصوں کی سرحد پر واقع ہے۔ جس کے مغرب میں سرمایہ دارانہ نظام اور مشرق میں سوشلزم حکومت کر رہا ہے درمیان میں دیوار برلن ہے جس پر برقی رو چل رہی ہے۔ سوشلزم سے تنگ آکر لاکھوں انسان ہر سال دیوار پھاند کر مغربی جرمنی میں جانے کی کوشش میں برقی رو اور دونوں ملکوں کے پہرے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے موت کے منہ میں آتے رہتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

بچوں کی چیخیں بلند ہونے لگتیں۔ وہ ہمیشہ اپنے پاس آگ بجھانے کے لئے پانی کی ایک بہت بڑی بالٹی رکھتی۔ وہ خطرے کا الارم سنتے ہی تینوں بچوں کو جگا دیتی، کپڑے پہناتی، کچھ کھانے پینے کو دے دیتی۔ کیونکہ بعض اوقات حملے کی مدت چھ گھنٹے یا اس سے بھی زائد وقت تک ہوتی اور ان دنوں یعنی عالمی جنگ کی ابتدا سے ۴۴ء تک فضائی حملے صرف رات کو ہوتے۔

اس واقعہ کے ضمن میں یہ ذکر بھی مناسب ہوگا کہ پہلی عالمی جنگ کی ابتدا میں فضائی حملے دو قسم کے ہوتے۔

(۱) روسی حملے: چونکہ روس قریب تھا۔ اس لئے ان کی علامت یہ تھی کہ غروب آفتاب کے آدھ گھنٹہ بعد شروع ہو جاتے۔ جرمن ان حملوں سے بالکل نہ گھبراتے اور اکثر لوگ پناہ گاہیں بھی تلاش نہ کرتے۔

(۲) انگریزی حملے: ان حملوں سے بہت جلد تباہی پھیل جاتی اور جرمن ان سے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر کرتے تو جب میں ماں بچوں کی چیخیں سنتا اور چونکہ میرے علاوہ کوئی اور مرد ان کے پڑوس میں رہائش پذیر نہ تھا۔ اس لئے میں ہی ان کی مدد کو دوڑتا۔ ایک بچہ میں اٹھالیتا اور سیڑھیوں سے اترنے لگتا اور بسا اوقات تو اترنے کی بھی مہلت نہ ملتی کہ فضائی حملوں کی گرج اور ان کے جواب میں داغی جانے والی توپوں کی گڑگڑاہٹ اور ان سے کوندتی ہوئی بجلیاں ہمارے چھت سے اترنے سے پہلے ہی شروع ہو جاتیں تو یہ مکین سیڑھی کے پائدان سے کمین گاہ کے دروازے تک کا فاصلہ کہ وہاں سے انھیں کھلے آسمان تلے چلنا پڑتا طے کرنے کی بجائے کھڑے کھڑے کانپتے رہتے۔ چنانچہ میں ان کا حوصلہ بڑھاتا۔ جب انھیں لے کر کمین گاہ کی چوتھی سیڑھی پر پہنچتا۔ واپس آجاتا اور خود اس میں پناہ گزیں نہ ہوتا۔ کیونکہ میرا کمین گاہ کے چوکیداروں سے ایک دفعہ جھگڑا ہو گیا تھا۔

اور ہوا یہ کہ جب میں جرمنی سے چلا آیا تو اس گھر پر گولہ باری ہوئی جس سے وہ کمرہ بھی بمعہ سازو سامان جل گیا۔ جس میں میں سویا کرتا تھا۔

اگر ہم ان واقعات کا شمار کریں جن سے یہ ثابت ہو کہ عورت مرد کی محتاج اور اس کی حمایت کی ضرورت مند رہتی ہے تو بات طویل ہو جائے گی۔

البتہ اقوام یورپ میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم کا عورتوں سے ناروا سلوک، ان سے بے رحمی برتنا ان کی انتہائی حرص کا شاخسانہ ہے جس کا ذکر دوسروں کے لئے درس عبرت ہونا چاہیئے کیونکہ ان کے ہاں رواج ہے کہ جب تک کوئی لڑکی کم از کم ۵۰۰۰ مارک حق مہر نہ ادا کرے شادی نہیں کر سکتی۔ ہاں اس سے زائد خرچ کرنا چاہے تو اس کی کوئی قید و بند نہیں کیونکہ جس کی قسمت ساتھ دے اسے اپنے خرچ کے مطابق مناسب خاوند ملے گا۔ کیونکہ خاوند کسی عورت کے حسن و جمال، اس کی طبعی شرافت اور حسب و نسب سے متاثر ہو کر شادی نہیں کرتا بلکہ اس کے ہاں سب سے زیادہ اہمیت اس کے مال و متاع کو ہے۔ یہ عورت مال جمع کرنے کی غرض سے اپنی جوانی کا ایک بہت بڑا حصہ ملازمت میں گزار دیتی ہے۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں اسے شادی کی امید ہو سکتی ہے۔

برلن میں نوکرانی تیس مارک میں دستیاب ہوتی ہے۔ جب کہ چھوٹے شہروں میں کھانے سمیت بیس مارک میں مل جاتی ہے وہ حق مہر جوڑنے کی فکر میں اپنے آپ پر ہر نعمت حرام کر لیتی ہے۔ بعض اوقات اس کی تنخواہ پر ایک بوڑھی اور کمزور ماں کی ذمہ داری بھی ہوتی ہے۔ اسے بھی چند ایک مارک بطور امداد دینا پڑتے ہیں۔ تو آپ اندازہ لگائیں کہ وہ کتنے سال ملازمت کرے تا آنکہ اس کے پاس ہزاروں مارک اکٹھے ہو جائیں۔ جن کے بعد وہ اپنے جیسے کسی مفلوک الحال مرد سے شادی کی سوچ سکے، پھر بات اسی پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اسے تلاش خاوند کے لئے ناچ گھر اور سینما ہال وغیرہ کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ اگر کسی مرد سے بات چیت کا موقعہ مل جائے تو اسے غنیمت سمجھتی ہے۔

رواج یہ ہے کہ مرد ہی عورت کو رقص کی دعوت دیتا ہے۔ کسی مرد کی تلاش میں چند پیسے جن کی اسے اشد ضرورت ہوتی ہے خرچ کر کے کسی اجتماعی جگہ مثلاً سینما ہال، قہوہ خانہ، ہوٹل یا ناچ گھر میں چلی جاتی ہے اگر کوئی نہ ملے تو نامراد واپس لوٹ کر اگلی فرصت کا انتظار کرنے لگتی ہے۔ کیونکہ اس کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ روزانہ چکر کاٹتی پھرے بلکہ اس کی بہترین حالت یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک روز اسے اتنی فراغت

مل جائے۔

اگر کسی نے دعوت دی بھی تو عین ممکن ہے کہ اس کا مذہب جدا ہو یا صرف دھوکہ دے رہا ہو۔ اور اگر کوئی شخص ہر لحاظ سے مناسب ہو تو اسے قبل از نکاح کچھ عرصہ اس سے وقتاً فوقتاً ملاقاتیں کرنا ہونگی، پسند آ جائے تو پھر سالہا سال منگنی میں ہی گزر جاتے ہیں۔ اس دوران خطرہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں فریق ثانی وعدہ خلافی کر کے منگنی نہ توڑ ڈالے۔

میں بون یونیورسٹی کے شعبہ علوم مشرق کی ایک سیکرٹری عورت کو جانتا ہوں۔ جس کا دل ہمیشہ غم زدہ رہتا۔ اس کا واقعہ یوں تھا کہ کسی شخص نے اس سے وعدۂ نکاح کیا اس کے ساتھ چودہ برس ملاقاتیں کرتا رہا۔ جن کا مقصد نان نفقہ اور زندگی کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کی بجائے صرف جنسی تسکین تھا۔ کیونکہ ذمہ داریوں کا سوال صرف نام کے خاوند بیوی بننے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے وہ صرف منگیتر کہلاتے ہیں چودہ برس کے بعد اس کی متاع عزیز لٹ گئی اور حسن و شباب ڈھل گیا تو اس نے اسے چھوڑ کر کسی اور عورت سے شادی کر لی جو اس سے زیادہ مالدار تھی۔ اور یہ حسرت کے آنسو بہاتی رہ گئی۔

ہزارہا مثالوں میں سے یہ ایک مثال ہے۔ ایسے منگیتروں کی زندگی کا سب سے زیادہ تعجب خیز پہلو یہ ہے کہ مدت دراز تک دو محبوبوں کی طرح جنسی تعلقات سے محظوظ دو انسان جب نام کی شادی کر لیتے ہیں تو فوراً ہی ناچاقی ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ بالآخر طلاق ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ حیرت انگیز مثال جرمنی کے شہر "بون" میں پیش آئی۔ کہ بیس برس تک نہایت اتفاق اور ہر لحاظ سے مطمئن زندگی کاٹنے کے بعد جب نکاح کر لیا تو ایک برس ہی گزرا تھا اگرچہ وہ بھی سارا لڑائی جھگڑے میں گزرا، کہ طلاق ہو گئی۔ میں نے راز پوچھا تو معلوم ہوا کہ منگیتر شادی سے پہلے اپنے اصلی عادات و اطوار کو مصنوعی اور بناوٹی چاپلوسیوں کے پردہ میں چھپا رکھتے ہیں کہ کہیں وہ بیزار ہو کر منگنی نہ چھوڑ دے لیکن نکاح ہوتے ہی یہ تکلفات یکسر ختم ہو جاتے ہیں اور انسان اپنے حقیقی روپ میں

آجاتا ہے، جس کا نتیجہ نفرت، لڑائی جھگڑا اور بالآخر طلاق ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مشرقی ممالک کے جو لوگ ناتجربہ کاری اور کوتاہ بینی کی وجہ سے مغربی ممالک کی تقلید میں منگیتروں کے لئے خلوت کی ملاقاتیں اور جلوت کی محفلیں قائم کرنے کو اچھا سمجھتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ایک دوسرے کے دلی بھید اور اندرونی باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی قابل مواخذہ چیز نہ ملے تو اس طرح یہی اتفاق اور محبت آئندہ رسمی زوجیت کی خوشگوار زندگی کی بنیاد ہوگی لیکن مذکورہ بالا واقعات کی روشنی میں یہ چیز ثابت ہو چکی ہے کہ یہ دلیل بالکل بودی اور نکمی ہے کیونکہ تکلف برطرف کئے بغیر اصل طبیعتیں نہیں کھلتیں جس کا مرحلہ نکاح کے بعد شروع ہوتا ہے۔ نیز وہ غیر معصوم ہیں اس لئے خطرہ رہتا ہے کہ کہیں حرام کاری نہ شروع کر دیں۔ جس کا نتیجہ دین و دنیا کی بربادی اور رسوائی ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔ "مَا خَلَا رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا کَانَ الشَّیْطَانُ ثَالِثَھُمَا"

جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کو جن کے خاوند یا محرم پاس نہ ہوں ان کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے۔ آپ سے دیور جیٹھ یعنی خاوند کے بھائی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ اس کے ساتھ علیحدہ ہو سکتا ہے؟

فرمایا: "کہ وہ موت ہے"

یعنی اس کا خلوت میں اس سے ملاقات کرنا کسی غیر قریبی شخص کی نسبت زیادہ خطرناک ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو خاوند یا محرم کے بغیر کسی دوسرے شخص کے ساتھ سفر کرنے کو ممنوع فرمایا ہے۔ ان تمام احکام کا مقصد صرف آبرو، حسب و نسب، دین اور رحم کے حقوق کی حفاظت اور آپس کے اختلافات کو ختم کرنا ہے۔

ہاں منگیتروں کا ایک دوسرے کو بغیر کسی مقام تہمت یا تخلیہ وغیرہ کے دیکھ لینا، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ نہایت ضروری ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود اس کا حکم فرمایا ہے،

ان کا یہ کہنا کہ خوش گوار شادی کی بنیاد محبت ہے یہ قابلِ تنقید ہے کیونکہ محبت کی کئی قسمیں ہیں۔

جنسی تعلقات کی محبت، کھانے پینے کی محبت اور گھوڑ سواری کی محبت وغیرہ اور یہ محبت درحقیقت دل کا درد اور اس کا روگ ہے جب تک اس کی تسکین نہ ہو بڑھتا رہتا ہے اور تسکین کی شکل یہی ہے کہ مطلوب سے اس کی غرض حاصل ہو جائے۔ جب مقصد حل ہو جاتا ہے تو یہ جوش ختم ہو جاتا ہے اور رغبت کمزور ہو جاتی ہے۔ اب اس کی وہ آنکھ نہیں رہتی۔ جس سے وہ اسے پہلے دیکھا کرتا تھا۔ یہی رغبت کمزور ہوتے ہوتے بالآخر ختم ہو جاتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے لوگ عورتوں کے عشق میں گرفتار رہے۔ انہوں نے ان سے شادی کی خاطر سب کچھ لٹا دیا لیکن جب ان کی خواہش پوری ہو گئی تو وہ ان سے بیزار ہو گئے۔ ان کے نزدیک ان کی قیمت ایک کوڑی بھی نہ رہی۔ وجہ یہ ہے کہ انکی محبت قلبی نہ تھی بلکہ محض جذباتی اور جنسی تھی۔ جس کی تسکین پر محبت بھی جاتی رہی۔ کسی یورپی شخص سے سوال ہوا تھا کہ تجھے کونسی عورت پسند ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اپنی بیوی کے سوا ہر عورت کو پسند کرتا ہوں۔ اگر ایسی محبت بالکل ختم نہ بھی ہو تب بھی اس کا وہ جوش اور ولولہ ختم ہو جاتا ہے۔ جو دیرپا رفاقت کے لئے ضروری ہے اور اگر اتفاق سے محبوب سنگ دل طبیعت کا سخت اور بدمزاج ہو تو محبت کی جگہ بغض اور عداوت لے لیتے ہیں۔ محبت کی جملہ اقسام سے ایک قسم میلانِ زوجیت کی محبت ہے یہ محبت پہلی قسم محبت سے دیرپا ہوتی ہے۔ اگر اتفاق سے دونوں کی طبیعتیں مل جائیں تو ایام گزرنے پر یہ محبت پروان چڑھتی ہے ہمارا مقصد نہیں کہ حسن وجمال حقیقی محبت کا سبب نہیں ہوتا اور نہ ہم عورت کی ظاہری شکل وشباہت سے قطع نظر صرف اس کی روحانی اور اخلاقی خوبیوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک فاش غلطی ہے۔ بلکہ حقیقی محبت اس وقت تک کامل نہیں ہوتی بلکہ حقیقی محبت اس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک کہ محبوب ومطلوب دوسری خوبیوں کے علاوہ خوبصورتی کے ساتھ مزین نہ ہو۔ اور ایسی محبت اس شرعی

نکاح پر منحصر ہے۔ جس نے پہلے دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا ہو اور دونوں لالچ یا مجبوری کے بغیر میاں، بیوی بننے پر آمادہ ہو گئے ہوں۔ اگر ان کے اخلاق اور رسوخِ عقیدہ بھی مل جائیں تو یہ چیز ان کی محبت کو نہایت طاقتور اور مضبوط کر دے گی اور اسلام نے اسی کا حکم دیا ہے۔

اب رہا مذہب اسلام پر تمہارا یہ اعتراض کہ اس میں عورت کی وراثت مرد کی وراثت سے نصف ہوتی ہے تو یہ ایک فضول اعتراض ہے کیونکہ اسلام میں مرد پر ایسی مالی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ جن سے عورت آزاد ہے مثلاً حق مہر کی ادائیگی، بیوی بچوں کا خرچ، غریب، ماں باپ کی ذمہ داری اور یہ سب کچھ اس ذمہ داری کے علاوہ ہے جو ان کی حمایت و حفاظت اور ان کی طرف سے دفاع سے متعلق ہے۔ اس لئے اسے مال کی زیادہ ضرورت ہے بخلاف عورت کے کہ اسے مرد کی نسبت مال کی بہت تھوڑی ضرورت ہے۔

روشنی کم ہے

داعیٔ عرفانی

نجومِ شب کو جگاؤ کہ روشنی کم ہے
شررشرر کو بتاؤ کہ روشنی کم ہے،

کوئی بھی بزم میں پہچانتا نہیں ہم کو
فروغِ ربط بڑھاؤ کہ روشنی کم ہے،

ابھی لہو کے چراغوں پہ اکتفا کر لو
ابھی زبان پہ نہ لاؤ کہ روشنی کم ہے،

سرشکِ خوں کے ستارے بھی پڑ گئے مدھم
وفا کی شمع جلاؤ کہ روشنی کم ہے،

ترس رہی ہیں نگاہیں کرن کرن کے لئے
دلوں میں آگ لگاؤ کہ روشنی کم ہے،

لرز رہے ہیں جو سائے پرے نگاہوں سے
قریب لا کے دکھاؤ کہ روشنی کم ہے،

نمودِ صبحِ درخشاں سے پیشتر راسخ
قدم سنبھل کے اٹھاؤ کہ روشنی کم ہے!

ریاض الحسن نوری ایم۔ اے، لاہور

اشتراکی مغالطے اور اُنکا دفعیہ

اغنیاء صحابہ پر شرمناک بہتان، قسط نمبر ۲

مسعود صاحب اپنے مضمون کی چوتھی قسط یوں شروع کرتے ہیں۔

" یہ سمجھنا محض سادگی ہے کہ حضرت عمرؓ کو ان کے ملازم نے محض ذاتی عناد کی بنا پر شہید کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ خلیفۂ ثانی مال داروں کی سازش کے نتیجے میں شہید ہوئے۔ اور وہ اس لئے کہ حضرت عمرؓ سماجی معاہدے کے تحت مال داروں کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں ان پر سختی کی روش کے قائل تھے "

اولاً ان صاحب کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ حضرت عمرؓ کا قاتل خود ان کا ملازم نہیں تھا، جیسا کہ صاحب مضمون نے کہا ہے، بلکہ قاتل مغیرہؓ بن شعبہ کا غلام تھا۔ اگر مسعود صاحب براہ راست عربی مآخذ سمجھنے سے قاصر ہیں تو کم از کم اردو میں لکھی گئی حضرت عمرؓ کی سیرت "الفاروق" ہی دیکھ لیتے، اسی سے انہیں قاتل کا صحیح علم ہو جاتا، ہم شہادتِ عمرؓ کا وہ واقعہ شبلیؒ کی "الفاروق" سے نقل کرتے ہیں۔

شہادتِ عمرؓ کا واقعہ

" مدینہ منورہ میں فیروز نام کا ایک پارسی غلام تھا، جس کی کنیت ابو لولو تھی، اس نے ایک دن حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہؓ بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی اس نے کہا روزانہ دو درہم (سات آنے)، حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے؟ بولا: نجاری، نقاشی اور آہنگری، فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلے میں یہ رقم بہت نہیں ہے، فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا گیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا ..... جونہی نماز، شروع کی فیروز نے دفعتہً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے ..... عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ سامنے بسمل پڑے تھے، فیروز نے لوگوں کو بھی زخمی کیا۔ لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی، حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون ہے؟" لوگوں نے کہا کہ فیروز۔ فرمایا کہ "الحمد للہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا۔"

تاریخ طبری میں یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْ مَنِیَّتِیْ بِیَدِ رَجُلٍ سَجَدَ اللّٰهَ سَجْدَةً وَّاحِدَةً - یعنی اللہ کا شکر ہے کہ میری موت ایسے شخص کے ہاتھوں نہیں ہوئی جس نے اللہ کو ایک بار بھی سجدہ کیا ہو۔" تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ لیکن تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر یہ سازش بھی تھی تو غیر مسلم ایرانی غلاموں کی سازش تھی جو پرولتاری پیشہ رکھتے تھے، یہ ہرگز مالدار اصحاب کی سازش نہ تھی۔ پھر دیکھئے کہ طبقات ابن سعد کی متعدد روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس موقع پر حضرت عمرؓ سمیت تقریباً ایک درجن کے قریب نمازی زخمی کئے گئے تھے، اور ان میں سے نصف درجن اپنے خالق حقیقی سے جا ملے پس یہ تمام مسلمانوں کے خلاف ایک سازش تھی۔

بہرحال واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو کسی سرمایہ دار نے نہیں بلکہ ایک مزدور یعنی پرولتاری نے، آمدنی میں اضافہ نہ ہونے پر شہید کیا۔ اور یہ بدنما داغ قیامت تک کے لئے پرولتاریوں (صنعتی مزدوروں) کو لگا دیا۔

ہم مسعود صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آخر کن مالداروں نے آپ کو شہید کیا یا کروایا۔ اور بتائیں اس وقت کون کون مالدار مدینہ میں تھے، مدینہ میں اس وقت ایک بھی یہودی نہ تھا، سب مالدار صحابہ کرام

(۱) الفاروق مولفہ شبلی نعمانی باب حضرت عمرؓ کی شہادت،

تھے ان میں سب سے زیادہ مالدار حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ تھے، حضرت عثمانؓ تو غنی مشہور ہی اپنی دولتمندی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے تھے، پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے، جن کے متعلق بخاری کی روایت ہے کہ ۵ کروڑ سے زائد مالیت کی جائیداد چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوئے (۱) پھر حضرت عثمانؓ نے اپنی ایک لڑکی کو لاکھ درہم کا جہیز دیا تھا۔ سب جانتے ہیں کہ اس زمانے میں جو بھی دولت مند تھے، وہ سب کے سب کبار صحابہؓ میں سے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان لوگوں کے بڑے بڑے وظیفے مقرر کر رکھے تھے، یعنی دس دس ہزار، (۲)

(۲) حضرت عمرؓ کے بعد صرف عشرہ مبشرہ ہی میں سے خلیفہ بنے تھے، اس لئے مسعود صاحب کا اشارہ ان ہی اصحاب رضی اللہ عنہم کی طرف ہو سکتا ہے۔ پھر غور فرمائیے کہ حضرت عثمانؓ نے خلیفہ بننے کے بعد حضرت عمرؓ کی شہادت پر کسی بھی دولت مند کو سزا نہیں دی۔ اور نہ کسی پر الزام لگایا، جب حضرت عثمانؓ نے کسی دولت مند صحابی پر شک ظاہر نہیں کیا اور نہ کسی مورخ نے آج تک اشارہ کیا تو آخر مسعود صاحب ۱۴۰۰ سال بعد یہ الزام کس بنا پر عائد کر رہے ہیں، کیا یہ کبار صحابہؓ اور عشرہ مبشرہ کی توہین نہیں؟ کیا ان کے خیال میں حضرت عثمانؓ نے قاتلوں کے فعل پر پردہ ڈالا؟

حقیقت صرف یہ ہے کہ مسعود صاحب مارکس کے فلسفے کو ثابت کرنے کے لئے ان صحابہؓ پر گھناؤنا الزام لگا رہے ہیں، جن کے جنتی ہونے کی بشارت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔

اشتراکیوں کی نظر میں رسول اللہ ﷺ کی حیثیت

کیونکہ مارکس کا فلسفہ ہے کہ دنیا کے سب

(۱) کتاب الجہاد، بخاری شریف،

(۲) یہ لوگ بیشک بہت مال دار تھے۔ لیکن اس آمدنی سے فضول خرچی یا عیاشی نہیں کیا کرتے تھے، جیسے آج کل کے سرمایہ دار کرتے ہیں، قرونِ اولیٰ کے مال دار اپنا روپیہ نیک کاموں میں صرف کرتے تھے۔

انقلابات کی وجہ اقتصادی ہوتی ہے، بلکہ اس کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نہیں آتی تھی اور نہ ہی آپ کوئی روحانی انقلاب لانا چاہتے تھے، بلکہ آپ نے (نعوذ باللہ) سب کچھ جنوبی عرب کی تجارت کی بحالی کے لئے کیا تھا۔ اینجلز مارکس کے نام خط میں لکھتا ہے"

"میں یہاں بھی یہی سمجھتا ہوں وجہ یہی تھی کہ جنوبی عرب کی تجارت برباد ہوگئی تھی۔ اور اس بربادی کو تم صحیح طور پر اسلامی انقلاب کی اہم وجوہات میں سے بڑی وجہ قرار دے سکتے ہو۔۔۔۔۔۔ اسلامی انقلاب دراصل بڑے شہروں کے فلاحین کے خلاف بدوؤں کی جوابی کارروائی تھی۔"(۱)

جب مسعود صاحب نے تاریخ میں پڑھا کہ خلیفہ ثانی رضؓ کو ایک پرولتاری طبقے کے غلام نے شہید کیا تو انہیں فکر لاحق ہوئی کہ ایک پرولتاری بدنام ہو رہا ہے، چنانچہ انہوں نے یہ کہنے کی بجائے کہ مغیرہ رضؓ بن شعبہ کے غلام فیروز جو پرولتاری طبقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے خلیفہ ثانی رضؓ کو شہید کیا۔ ناظرین کے سامنے یہ جھوٹ بولا کہ حضرت عمر رضؓ کے ذاتی ملازم نے ان کو شہید کیا تھا۔ اس طرح سے پرولتاری طبقے کو اپنے زعم میں بچا لیا پھر دوسرا جھوٹ یہ بولا کہ سازش دولت مندوں نے کی تھی۔ حالانکہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت یا کسی بھی تاریخ کی کتاب میں ان دونوں باتوں میں سے ایک کا بھی اشارہ تک نہیں۔ سارا قصہ مسعود صاحب نے اپنی مطلب برآری کے لئے گھڑا ہے۔۔۔۔ اور صحابہ کرام کا بھی کچھ لحاظ نہ کیا۔ بھلا ایک کمیونسٹ کسی کا کیا لحاظ کر سکتا ہے۔ اور کمیونسٹوں کے نزدیک جھوٹ بول کر پروپیگنڈہ کرنا تو بہت اچھا کام ہے۔ اس طرح، مسعود صاحب نے اپنے کمیونسٹ ہونے کا پورا پورا ثبوت دے دیا۔

شاہ ولی اللہ رحؒ کے متعلق جھوٹ پھر مسعود صاحب فرماتے ہیں "حضرت امام الہند

(۱) P.P. 111, 11 "Marx and Engels on Religion Moscow edition ۱۹۶۶ء

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی زمینداری کی مخالفت کی ہے"۔

اب ہم ناظرین کے لئے شاہ صاحب کا قول نقل کرتے ہیں تاکہ اس جھوٹ کا بھی پول کھل جائے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

"۔۔۔۔ بڑے بڑے تابعین شرکت مزارعت کیا کرتے تھے اور اس کے جواز پر اہل خیبر کے معاملے والی حدیث دلالت کرتی ہے۔ اور جن احادیث میں اس سے نہی پائی جاتی ہے وہ احادیث، نہروں کے اوپر پیداوار یا کسی خاص قطعہ کے بدلے کرایہ دینے پر محمول ہے اور رافعؓ کا یہی قول ہے۔"(۱)

یہ تو مزارعت کا معاملہ تھا۔ جہاں تک نقد ٹھیکہ یا پٹہ پر دینے کا سوال ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے موطا امام مالک کا جو انتخاب اور شرح کی ہے۔ اس میں کئی اصحابؓ رسولؐ، مثلاً عبد الرحمٰنؓ بن عوف کی روایات اور عمل سے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔ اور یہ بھی حدیث روایت کی ہے کہ نقد ٹھیکہ کو خود رافعؓ بن خدیج بھی جائز سمجھتے تھے۔ (۲)۔

مندرجہ بالا اقوال کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ شاہ ولی اللہؒ نے زمینداری کی مخالفت کی ہے، سراسر جھوٹ بھی ہے اور دھوکہ بھی، کیونکہ شاہ ولی اللہ نے تو زمینداری کے حق میں دلائل بھی دیئے ہیں اور احادیث بھی بیان کی ہیں۔

دراصل کمیونسٹوں کا کام یہ ہے کہ وہ جو لیڈر اور علماء عوام میں مقبول ہوتے ہیں۔ ان کا نام لے کر مارکس کے خیالات کی تبلیغ کیا کرتے ہیں، جس طرح آج کل بیچارہ اقبالؒ بطور خاص ان کی مشق ستم کا نشانہ بنا ہوا ہے۔

---

(۱) صفحہ ۴۴۳ حجۃ اللہ البالغہ، معہ ترجمہ، جلد دوئم مطبوعہ نور محمد کراچی

(۲) صفحات ۶۲-۶۳ المسوّٰی من احادیث الموطا

شاہ عبدالعزیزؒ پر جھوٹ

مسعود صاحب پھر لکھتے ہیں۔

"امام عبدالعزیز (شاہ ولی اللہؒ کے فرزند) نے بھی فتاویٰ عزیزی میں زمینداری سسٹم کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا ہے"۔ (حوالہ مذکور)

راقم الحروف نے خاص طور پر فتاویٰ عزیزیہ خرید کر پڑھا لیکن وہاں کہیں بھی مزارعت یا نقد ٹھیکہ کے خلاف کوئی رائے نہیں بیان کی گئی۔

ناظرین غور فرمائیں کہ دھوکہ دینے کے لئے کبھی امام ہند کہا جاتا ہے۔ پھر شاہ عبدالعزیزؒ کو بھی امام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے تاکہ سننے والے سمجھیں کہ یہ صاحب ان کے بہت معتقد ہیں، پھر ان پر جھوٹ بول کر مارکس کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔

مزارعت سے متعلق رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ اور علمائے امت کا عمل

مسعود صاحب لکھتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ مزارعت کا طریقہ خواہ اس کی شکل کچھ ہو، ناانصافی کو جنم دیتا ہے"۔ (مشرق ۱۰ فروری ۶۸ء)

اس قسط کا عنوان ہے، "ہر شخص اپنی زمین رکھ سکتا ہے، جس پر وہ کاشت کر سکے"۔

گویا جس زمین پر کوئی کاشت کرتا ہو اور وہ اسی کی ہو پھر بھی وہ اس کا مالک نہیں کہلا سکتا۔

مطلب وہی عمل فرعون اور قول مارکس یعنی سب زمین حکومت کی ملکیت میں ہونی چاہئے۔

آپ شاہ ولی اللہؒ کا قول مزارعت کے متعلق پڑھ چکے ہیں، جس میں آپنے رسول اللہ (صلعم) کے اہل خیبر کو بٹائی پر زمین دینے کی حدیث کی دلیل سے اور رسول اللہؐ کے عمل اور پھر صحابہؓ و تابعینؒ کے عمل متواتر سے بھی ٹھیکہ و مزارعت کا جواز ثابت کیا ہے۔

ابن حزمؒ کی صراحت

اب سنئے ابن حزمؒ جن کو اسلامی سوشلسٹ رحمت اللہ طارق مصنف "زمینداری، جاگیرداری اور اسلام" نے اپنی کتاب کے

صفحہ ۲۲۰ پر مجتہد اعظم اور لافانی ابن حزمؒ کا خطاب دیا ہے، وہ کیا فرماتے ہیں، ابن حزم محلی جلد نمبر ۸ باب المزارعت میں بخاری اور مسلم وغیرہ، کی بہت سی احادیث ثبوت کے طور پر ذکر کرنے کے بعد آخر میں نافع کی سند سے عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث روایت کرتے ہیں جس میں خیبر کی زمین یہودیوں کو مزارعت پر دینے کا ذکر ہے پھر فرماتے ہیں

"فَفِي هٰذَا أَنَّ آخِرَ فِعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَنْ مَاتَ كَانَ إِعْطَاءُ الْأَرْضِ بِنِصْفِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنَ الزَّرْعِ وَمِنَ الثَّمَرِ وَمِنَ الشَّجَرِ وَعَلَى هٰذَا مَضَى أَبُوْ بَكْرٍؓ وَعُمَرُؓ وَجَمِيْعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ...... عَامَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِالشَّطْرِ ثُمَّ أَبُوْ بَكْرٍؓ وَعُمَرُؓ وَعُثْمَانُؓ وَعَلِيٌّؓ .... أَنَّهُ سَمِعَ طَاوُسًا يَقُوْلُ: قَدِمَ عَلَيْنَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ فَأَعْطَى الْأَرْضَ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ فَنَحْنُ نَعْمَلُهَا إِلَى الْيَوْمِ قَالَ أَبُوْ مُحَمَّدٍ: مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ بِالْيَمَنِ عَلَى هٰذَا الْعَمَلِ ...... خَبَّابُ بْنُ الْأَرَتِّ وَحُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ. وَابْنُ مَسْعُوْدٍ كَانُوْا يُعْطُوْنَ أَرْضَهُمْ الْبَيَاضَ عَلَى الثُّلُثِ، وَالرُّبُعِ، فَهٰؤُلَاءِ أَبُوْ بَكْرٍؓ وَعُمَرُؓ وَعُثْمَانُؓ وَعَلِيٌّؓ وَغَيْرُهُمْ

(۱) یاد رہے کہ مسلم کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے یہود کو خیبر سے جلاوطن کر کے وہاں کی زمین صحابہؓ میں تقسیم کر دی تھی، اس کے بعد جو وہاں کی زمین مزارعت یا نقد ٹھیکہ پر دیتا تھا، وہ اپنی ذاتی حیثیت سے ایسا کرتا تھا۔

وَسَعْدٌ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ. وَخَبَّابٌ وَحُذَيْفَةُ وَمُعَاذٌ بِحَضْرَةِ

جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)،

ترجمہ "اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل وصال مبارک تک یہ تھا کہ وہ زمین اور اس کی پیداوار کو نصف بٹائی پر دیتے تھے۔ اور اسی پر حضرت ابوبکر و عمر اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عمل کرتے رہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں نصف بٹائی پر زمین دی پھر ابوبکر و عمر و عثمان و علی (رضی اللہ عنہم) نے دی۔ ۔ ۔ ۔ راوی نے حضرت طاؤس رض کو کہتے سنا کہ ہمارے پاس حضرت معاذ رض یمن میں آئے اور زمین نصف اور چوتھائی بٹائی پر دی اور اسی پر ہم آج تک عمل کر رہے ہیں

امام ابو محمد کہتے ہیں: حضور ؐ وصال پا گئے تو یمن میں حضرت معاذ رض مزارعت پر زمین دیتے تھے، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خباب بن الارت رض و حذیفہ بن الیمان رض و ابن مسعود رض اپنی اپنی سفید زمینوں کو ثلث اور چوتھائی پر مزارعت کے لئے دیا کرتے تھے، یہ تمام کے تمام حضرات اور ابوبکر و عمر و عثمان و علی و سعد و ابن مسعود و خباب و حذیفہ و معاذ رضی اللہ عنہم تمام صحابہ رض کے سامنے اپنی زمینوں کو مزارعت پر دیا کرتے تھے۔" دیکھئے! یہ بیان اس شخص کا ہے جسے سوشلسٹوں نے بھی عظیم اور لاثانی مجتہد کا خطاب دیا ہے، ایک دوسری کتاب میں ابن حزم نے دعویٰ کیا ہے کہ مزارعت کے جواز پر اجماع ہو چکا ہے۔ (۱)

امام بخاری کی صراحت

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عباس رض کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ؐ نے لوگوں کو مزارعت سے منع نہیں فرمایا تھا، (۲) امام بخاری

(۱) الاحکام فی اصول الاحکام، جلد اوّل، صفحہ ۵۳۰،

(۲) فتح الباری، جلد ۵، صفحہ ۴۱۱، طبع مصر ۱۹۵۹ء،

نے یہ بھی لکھا ہے کہ خیبر سے یہود کے اخراج کے بعد حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیدیا تھا کہ ان میں سے جو چاہے وہ پیداوار حسب سابق لیتی رہیں اور جو چاہے اپنے حصے کی زمین لے لیں پس حضرت عائشہ نے زمین لیلی ؎۱۔ امام بخاری نے یہ بھی روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی زمین بٹائی پر دیتے تو مختلف طریقوں سے دیتے، کبھی اپنے پاس سے بیج بھی دیتے اور کبھی مزارع ہی بیج فراہم کرتا۔ ؎۲

پھر امام بخاری اپنی صحیح میں فرماتے ہیں۔

"ما بالمدینة اھل بیت ھجرة الا یزرعون علی ثلث
والربع و زارع علی و سعد بن مالک و عبد اللہ ابن مسعود
و عمر بن عبد العزیز والقاسم و عروة و آل ابی بکر
و آل عمر و آل علی و ابن سیرین۔" ؎۳

(ترجمہ: "مدینہ میں مہاجرین کا کوئی ایسا گھر نہ تھا جو ثلث یا ربع پر مزارعت نہ کرتا ہو، جو حضرات علی و سعد بن مالک و عبد اللہ بن مسعود و عمر بن عبد العزیز و قاسم و عروۃ اور آل ابی بکر و آل عمر و آل علی و ابن سیرین رضی اللہ عنہم سب کے سب اپنی زمینوں کو بٹائی پر کاشت کے لیے دیا کرتے تھے۔")

اب ہم پوچھتے ہیں کہ مسعود صاحب جو بلا استثنا ہر قسم کے مزارعت کے طریقے کو ناانصافی قرار دے رہے ہیں تو کیا وہ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین اور اصحاب

؎۱ حوالہ مذکور صفحہ ۱۰۴، صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے خیبر کی زمین کو تقسیم کر دیا اور ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ چاہے وہ پیداوار کا حصہ لے لیا کریں یا پھر ان کو زمین کے قطعات دیدیے جائیں گے، بعض نے سالانہ پیداوار لینا پسند کیا، لیکن حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے زمین لے لی (صفحہ ۲۱۰ صحیح مسلم شرح نووی)

؎۲ حوالہ مذکور صفحہ ۲۰۸، ؎۳ حوالہ مذکور، صفحہ ۳۰۵

کبار رضی اللہ عنہم کی توہین اور برائی نہیں کر رہے کہ انہیں بالواسطہ ناانصافی کو جنم دینے والا کہا جا رہا ہے۔

(مسلسل)

عزیز زبیدی، واربرٹن

دسویں صدی ہجری تک

ہند میں علم حدیث کی طرف توجہ کم رہی

شروع سے ہند کی طرف مسلمانوں کی نگاہیں اُٹھ رہی تھیں، چنانچہ ۱۵ھ/۶۳۶ء میں عمان اور بحرین کے گورنر کے ایما پر حکم شقفی نے بمبئی کی سرزمین (تھانہ) پر حملہ کیا اور ۹۳ھ میں محمد بن قاسم نے اپنی مشہور منجنیق "العروس" کے ذریعے حملہ کرکے دیبل (ٹھٹھہ) کا قلعہ فتح کیا اور ہند میں اپنے قدم جمائے اس کے بعد بتدریج مسلمانوں کی آمد و رفت بڑھتی رہی اور علاقے کے علاقے مسلمان ہوتے چلے گئے۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان تاجر شاہزادگی کے بجائے اسلامی فریضۂ تبلیغ کی خدمات انجام دیتے اور زندگی کا کوئی اسوۂ حسنہ دکھاتے تو ہند میں آج مسلمان اقلیت کے بجائے اکثریت میں ہوتے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ سارا ہند ہی حلقہ بگوش اسلام ہوتا۔

جب مسلمانوں نے یہاں قدم جما لیے تو علماء اور صلحائے اُمت نے قرآن علم و عمل کا فیضان عام کیا اور بہت سے دینی علوم کی بھی خاص نشر و اشاعت کی مگر افسوس! دسویں صدی ہجری تک علم حدیث کی طرف مناسب توجہ نہ دی گئی۔ اس کے اسباب کیا تھے؟ ذیل کی تاریخی سطور میں ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں، یہ اقتباس ایک ایسی تاریخی کتاب سے لیا گیا ہے جو ندوی افاضل کی زیر نگرانی مرتب ہوئی تھی۔ اس کے مصنف مولانا ابو الحسنات ندوی ہیں، وہ لکھتے ہیں جیسا کہ ہمارے زمانہ میں منطق و فلسفہ معیار فضیلت ہے۔ ویسا ہی اس زمانہ میں حنفی فقہ اور اصول فقہ معیارِ فضیلت تھا، حدیث میں صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا، اور جس خوش نصیب کو مصابیح ہاتھ آجاتی تھی وہ امام الدنیا فی الحدیث کے لقب کا مستحق ہو جاتا تھا۔

اصل یہ ہے کہ اس زمانہ کے نصاب تعلیم میں جو خصوصیات نظر آتی ہیں وہ فاتحین کے مؤثر ذوق کا نتیجہ تھا۔

ہندوستان میں اسلامی حکومت کا تخت جس قوم نے بچھایا وہ غزنی اور غور سے آئی، یہ وہ بلاد ہیں جہاں فقہ اور اصولِ فقہ کا ماہر ہونا علم و فن کا طغرائے امتیاز تھا، یہی سبب ہے کہ فقہی روایات کا پایہ بلند تھا، علم حدیث کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ:

"غیاث الدین تغلق کے دربار میں مسئلہ "سماع" کی نسبت مناظرہ پیش آیا، ایک طرف شیخ نظام الدین اولیاؒ اور دوسری طرف تمام علمائے دہلی تھے"

شیخ فرماتے ہیں کہ میں جب کوئی حدیث استدلالاً پیش کرتا تھا تو وہ لوگ بڑی جرأت سے کہتے تھے، کہ اس شہر میں حدیث پر فقہی روایات مقدم سمجھی جاتی ہیں۔ کہیں کہتے تھے کہ یہ حدیث شافعی کی متمسک بہ ہے۔ اور وہ ہمارے علما کا دشمن ہے۔ ہم ایسی حدیثیں نہیں سننا چاہتے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ جس شہر کے علما میں اس درجہ مکابرہ و عناد ہو وہ کیونکر آباد رہ سکتا ہے۔ وہ تو اس قابل ہے کہ بالکل تباہ و برباد ہو جائے"

ضیاء برنی نے اپنی تاریخ میں علاء الدین خلجی کے عہدِ حکومت کا واقعہ نقل کیا ہے کہ:

مولانا شمس الدین ترک ایک مصری محدث ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج کے لئے ارادہ سے ملتان تک آکر واپس چلے گئے، مگر چلتے وقت بادشاہ کو ایک رسالہ لکھ کر بھیج دیا جس میں اس پر بہت غیرت دلائی تھی کہ ہندوستان میں حدیث کی طرف سے علماء میں بڑی بے اعتنائی پھیلی ہوئی ہے۔ دنیا ساز مولویوں نے بادشاہ تک اس رسالہ کو بھی نہ پہنچنے دیا" (ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں صفحہ ۹۲)

مولانا ابوالحسنات نے ایک اور مقام پر ترویجِ حدیث کے سلسلے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"وہ ہندوستان سے عرب گئے، اور وہاں تین برس رہ کر علمائے حرمین شریفین سے فن حدیث کی تکمیل کی اور یہ تحفہ ہندوستان کے لئے لائے، انہوں نے اور ان کی اولاد نے برابر اس کی اشاعت کی مگر افسوس ہے کہ ناکامی ہوئی" (ایضاً صفحہ ۹۴)

ہمارے نزدیک اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ ہندوستان میں اکثر مقلد تھے، کیونکہ مقلد تو شوافع حنابلہ اور مالکی بھی تھے مگر احادیث کے سلسلہ میں ان کی جو خدمات ہیں وہ ان کی بہ نسبت کافی وزنی

اور معروف ہیں، اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ "اصحاب الرائے" تھے۔ اور اصحاب الرائے کے مقلد تھے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اسلافِ احناف احادیث کے بالکل کورے تھے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ رائے و قیاس کا میدان ان کی افتادِ طبع کے لحاظ سے ان کے لئے زیادہ سازگار تھا۔ اس لئے اس میدان میں وہ خوب چمکے اور پھلے پھولے لیکن حدیث کے سلسلہ میں واجبی سا واسطہ رکھا، وہ بھی فقہی انداز کا، ایک محدث کی طرح فنی نہیں تھا۔ بلکہ احناف کے بعض اکابر کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بعض اوقات احادیث کی طرف محض اس لئے توجہ دی ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں جانتے یا محض اپنے مسلک کی حمایت کے لئے ان کو اس باب میں کچھ کام کرنا پڑا۔

مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "مرقات شرح مشکوٰۃ" کے لکھنے کی ایک وجہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ چونکہ اس باب میں زیادہ کام شافعیوں نے کیا ہے۔ اس لئے اس سے احناف کے سلسلے میں غلط تاثر پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے مرقات لکھ کر اس بیجا تاثر کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں، ان کی عبارت یہ ہے:۔

وایضا من البواعث ان غالب الشراح کانوا شافعیۃ فی مطلبھم و ذکروا المسائل المتعلقۃ بالکتاب علی منہاج مذہبھم ۔۔۔۔ وسموا الحنفیۃ اصحاب الرای علی ظن انھم ما یعلمون بالحدیث بل ولا یعلمون الروایۃ والحدیث لا فی القدیم ولا فی الحدیث ۔۔۔۔ فاجبت ان اذکر ادلتھم وابین مسائلھم وادفع مخالفتھم لئلا تتبوھم العوام الذین لیس لھم معرفۃ بالادلۃ الفقھیۃ ان المسائل الحنفیۃ تخالف الدلائل الحنیفیۃ۔ (مقدمہ مرقات صفہ ۳)

لیکن یہ ایک عجیب لطیفہ ہے، مگر ساتھ ہی اس شغلہ کا ذکر بھی کر گئے ہیں، جو ایک محدث سے زیادہ اصحاب الرای کا ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ احناف ظواہر حدیث پر قناعت نہیں کرتے بلکہ بڑی دقت نظر سے کام لیتے ہیں اور خوب باریکیاں پیدا کرتے ہیں۔ عبارت یہ ہے:۔

نعم من رای ثاقبھم الذی ھو معظم منا قبھم انھم ما تشبثوا بالظواھر بل وقفوا لنظر فیھا بالبحث عن السرائر و کشفوا عن وجوہ المسائل نقاب الستائر (مقدمہ صفہ ۳)

غور فرمائیے! جس الزام سے وہ بھاگتے تھے اسے خود ہی ثابت کر دیا ہے، جس خوبی کا انہوں نے ذکر

وہ واقعی ایک خوبی ہے لیکن یہ ایک محدث کی فنی خوبی نہیں بلکہ ایک فقیہ اور صاحب الرائے کی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ حسب ضرورت ان کے پاس احادیث نہیں تھیں اور سارا کام انہوں نے اپنے ائمہ سے حسن ظن کی بنیاد پر ان کے افکار کے مطالعہ سے چلایا۔

وذلك انه لم يكن عندهم من الاحاديث والآثار ما يقدرون على استنباط على الاصول التي اختارها اهل الحديث ولم تنشرح صدورهم للنظر في علماء البلدان وجمعها والبحث عنها واتهموا انفسهم في ذلك وكانوا اعتقدوا في ائمتهم انهم في درجة الاولياء من التحقيق (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۴۲)

خدمت حدیث تو بڑی دولت ہے، حضرت امام بخاریؒ کو تو اصحاب الرائے سے یہ بھی شکایت ہے کہ وہ ایسی حدیثوں کو چھپانے کی بھی کوشش کرتے ہیں جو ان کے خلاف پڑتی ہیں۔

الرد على من انكر رفع الايدي في الصلوة عند الركوع واذا رفع رأسه من الركوع وابهم على العجم في ذلك تكلفا لما لا يغنيه فيما ثبت من رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فيه فعله (رواية من اصحابه (جزء رفع اليدين ص ۳)

اصل بات یہ ہے کہ فقہ اور حدیث دونوں شعبے ہیں، دونوں جدا گانہ فن ہیں اور اپنی اپنی جگہ دونوں کی ضرورت ہے۔ لکل فن رجال، اس لئے اگر کسی ایک میں کچھ کمی ہے تو کوئی بات نہیں۔ اس لئے جو بزرگ حدیث کے سلسلے میں "فنی مہارت" کے فقدان پر، غم کھاتے ہیں، غلط کرتے ہیں، یا اگر اتنی احتیاط برت لی جائے کہ جب حدیث اہل فن کی شہادت کی رو سے صحیح ثابت ہو جائے تو اس کا خلاف نہ کیا جائے، تو پھر طعنے دینے والی بات ہی نہیں رہتی جو جس کے قابل ہے وہ اس میں اپنی محنت کا حق ادا کرے اور جس باب میں کوئی دوسرا سند ہے، اس میں اسکی طرف رجوع کیا جائے، قرآن و حدیث کی بنیاد پر اجتہاد ہوتا ہے، اس لئے جس حدیث میں بحث کرنا مقصود ہو، اگر خود کو اس سلسلہ میں اعتماد نہ ہو تو اہل فن سے پہلے اس حدیث کے مقام و مرتبہ کا یقین کر لیا جائے تاکہ وقت اور محنت ضائع نہ ہو۔

مولانا محمد اسحاق صاحب صدر مدرس
مدرسہ تقویۃ الاسلام لاہور،

از تذکرۃ الحفاظ ذہبیؒ (ترجمہ)

امام ابن جریر طبریؒ

نام اور کنیت محمد بن جریر نام، ابو جعفر کنیت، طبرستان کے شہر آمل میں ۲۲۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی — جب ہوش سنبھالا تو ہر طرف علم وفضل کے چرچے اور زہد وورع کی حکایتیں عام تھیں، ہوش سنبھالتے ہی یہ بھی کسب علوم وکمال کی خاطر گھر سے نکل پڑے، دُور دراز کے سفر طے کیے اور وقت کے علماء وفضلاء سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، تعلیمی اسفار کے دوران میں آپ کے والد آپ کو باقاعدہ خرچ پہنچاتے رہے۔

اساتذہ وتلامذہ آپ کے اساتذہ میں محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب، ابو ہمام سکونی، اسحاق بن ابی اسرائیل، اسماعیل بن موسیٰ سدی، محمد بن حمید رازی، احمد بن منیع، ابو کریب اور ھناد بن سری وغیرہم شامل ہیں۔ ان سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، ایک جماعت سے فنِ قرآت سیکھا اور اس میں پورا عبور حاصل کیا۔

آپ سے جن شاگردوں نے سماعِ حدیث کیا، ان میں مخلد باقرحی، احمد بن کامل، ابو القاسم طبرانی، عبد الغفار حضینی اور ابو عمرو بن حمدان وغیرہم نمایاں ہیں۔

علم وفضل علم وفضل میں آپ کا جو مقام ہے، وہ محتاجِ تعارف نہیں، آپ اپنے وقت کے بیک وقت عظیم مؤرخ، زبردست فقیہ ومجتہد، بے مثال مفسر اور محدث تھے، حافظ ابو بکر خطیب آپ کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ابن جریر وہ امام ہیں جن کے علم وفضل کے پیشِ نظر ان کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا اور ان کے قول کے مطابق حکم دیا جاتا ہے، انہوں نے اس قدر علوم وفنون حاصل کئے کہ ان کے زمانے

میں کوئی ان کے متقابل نہیں تھا، کتاب اللہ کے حافظ، معانی کے عالم، احکامِ قرآن کے شناسا، حدیث اور اس کی اسانید، صحیح وضعیف اور ناسخ ومنسوخ کی خوب معرفت رکھنے والے، صحابہ وتابعین کے کارناموں سے آگاہ جنگی وتاریخی حالات سے باخبر تھے، تاریخ اُمم میں ایک بہت بڑی مشہور کتاب اور قرآن کی ایک عظیم و بے نظیر تفسیر کے مصنف ہیں، ان کی ایک کتاب تہذیب الآثار" یہ اتنی مفید کتاب ہے کہ میں نے اس موضوع پر اس جیسی دوسری کتاب نہیں دیکھی، مگر افسوس کہ مکمل نہیں ہو سکی۔ ان کے علاوہ اصول وفروع میں ان کی بے شمار کتابیں ہیں۔ ولہ اختیار من اقوال الفقھاء"

امام ابن خُزیمہ فرماتے ہیں :۔

" میں نے رُوئے زمین پر ابن جریر سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا....."

ابو محمد فرغانی کہتے ہیں :۔

" امام ابن جریرؒ بڑی بڑی ایذا رسانیوں کے باوجود اللہ تعالٰے کے بارے میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اہلِ علم اور مُتدین حضرات آپ کے علم، زُہد اور ترکِ دنیا کے معترف تھے۔ آپ طبرستان میں اُپنے والد کے چھوڑے ہوئے مال میں سے اپنے حصے پر قانع تھے۔"

تفقّہ اور سیرت کے چند گوشے

کہتے ہیں ایک دفعہ خلیفہ مکتفی نے ایسا وقف نامہ تحریر کرانا چاہا جس پر تمام علماء کا اتفاق ہو، کسی کو اس سے اختلاف نہ ہو، اس مقصد کے لئے امام ابن جریرؒ کی خدمات حاصل کی گئیں تو آپ نے ایسی تحریر لکھ دی جو سب کے نزدیک قابل قبول تھی اس پر آپ کی خدمت میں گراں قدر عطیہ پیش کیا گیا، مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، خلیفہ نے کہا اپنی کوئی حاجت بیان فرمایئے اسے پورا کر دیا جائے گا، آپ نے فرمایا میری یہ درخواست ہے کہ جمعہ کے دن لوگوں کو مانگنے سے منع کر دیا جائے چنانچہ جمعہ کے دن مانگنا حکماً بند کر دیا گیا۔

اسی طرح ایک دفعہ وزیر سلطنت نے آپ کو فقہ میں کتاب لکھنے کے لئے کہا تو آپ نے "کتاب الخفیف" لکھ کر اس کے سامنے پیش کی۔ اس پر اس نے آپ کو ایک ہزار دینار دینا چاہا مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔

ایک فقہی اشکال اور اسکا حل

قائد ابن منجو کہتے ہیں مجھے ابن مرزق کے غلام نے بتایا کہ ایک دفعہ میرے آقا نے ایک لونڈی خرید کر میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیا، مجھے اس سے بے حد محبت تھی لیکن اسے مجھ سے نفرت تھی، ایک دن تنگ آکر میں نے اس سے کہہ دیا کہ طلاقِ ثلاثہ کے متعلق جو کچھ تو مجھ سے کہے گی میں وہی کہہ دوں گا، میں تیری اذیتیں کب تک برداشت کروں؟ اس نے فوراً انت طالق ثلاثا" (تجھے تین بار طلاق ہے) کہہ دیا۔ یہ سُن کر حیرت سے میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا کیونکہ میں اسے طلاق دینا نہیں چاہتا تھا، اب بڑی مشکل میں پھنس گیا، کسی نے کہا امام ابن جریرؒ کی خدمت میں جاؤ اور ان سے اپنی مشکل بیان کرو، چنانچہ میں انکی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا" تم اپنی بیوی کے ساتھ رہ سکتے ہو کیونکہ تمہارے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ گویا تم نے کہا انت طالق ثلاثا ان طلقتك (تجھے تین بار طلاق ہے اگر میں تجھے طلاق دوں)" ابن عقیل نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے اور کہا ہے اس کا جواب یہ بھی ہے کہ تم بعینہٖ وہی الفاظ کہو جو اس نے کہے ہیں یعنی انت طالق ثلاثا' تا کی فتحہ کے ساتھ یہ خطاب چونکہ مرد کو ہے اس لئے عورت کو طلاق نہیں ہوگی۔

میں کہتا ہوں کہ اگر انتِ طالق ثلاثا کہے اور ارادہ استفہام کا کرے یا انتِ طالق ثلاثا کہے اور نیت کرے کہ تو میری قید سے آزاد ہے یا تو طلق یعنی دردِ زہ میں مبتلا ہے تو ان صورتوں میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

جو لوگ قسم کے سبب اور حالف کی نیت کا اعتبار کرتے ہیں، ان کے نزدیک ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرد پر وہ بات کہنا لازم نہیں جو عورت نے کہی ہے، کیونکہ قرینہ حال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ جب عورت اس سے کوئی تکلیف دہ بات کہہ کر اذیت پہنچائے گی تو وہ بھی اسے ایسی ہی تکلیف دہ بات سے اذیت پہنچائے گا چونکہ موجودہ صورت میں طلاق دینا عورت کے لئے تکلیف دہ نہیں بلکہ خوش کُن ہے اور مرد کے لئے تکلیف دہ بات ہے۔ لہٰذا بداہۃً طلاق اس سے مستثنیٰ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی متکلم کلام کرتا ہے تو اس کے عموم میں سے کچھ چیزیں مستثنیٰ ہوتی ہیں جن کا وہ ارادہ ہی نہیں کرتا، بلقیس ملکہ صنعاء کے بارے میں

اللہ تعالیٰ کے فرمان ـــــ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (اسے ہر چیز دی گئی تھی) ـــــ میں داڑھی اور مردانہ عضو وغیرہ مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان ـــــ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ ـــــ (آندھی ہر چیز کو برباد کر گئی) ـــــ میں پہاڑ اور آسمان مستثنیٰ ہیں، اور یہ اندازِ گفتگو فصیح اور کثیر الاستعمال ہے ایسے ہی یہ بھی بدیہی ہے کہ اگر کوئی آدمی حلف کرے کہ عورت جو کچھ کہے گی میں بھی وہی کہوں گا، پھر عورت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے اور رسولوں کو گالیاں دے لیکن مرد ایسا کہنے سے سکوت اختیار کرے تو وہ حانث نہیں ہوگا الایہ کہ وہ ایسی چیزوں کی بھی اپنے حلف میں نیت کرے (العیاذ باللہ)

موجودہ صورت میں امام داؤد، امام ابن حزم اور شیعہ حضرات کے نزدیک مرد حانث نہیں ہوتا اور عورت بدستور اس کی بیوی رہتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک طلاق کی قسم لغو ہے، قسم صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی ہونی چاہیئے اور بس!

ہمارے ہمعصر علماء میں سے ایک امام اس طرف گئے ہیں کہ جب کوئی آدمی کوئی کام کرنے پر بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھائے تو اس کام کے کرنے پر اسے کفّارہ دینا پڑتا ہے، طلاق واقع نہیں ہوتی، ہاں وہ طلاق جو کسی ترغیب یا ترہیب پر معلق نہیں یا اس نے جملہ شرطیں بولنے سے جزا کا ارادہ کیا ہے قسم کی نیت نہیں کی جیسے یوں کہے اگر تو زنا کرے تو تجھے طلاق ہے یا اگر تو نماز چھوڑ دے تو میری طرف سے تجھے طلاق ہے تو ان کاموں کے سرزد ہونے سے اس کی بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی۔

مگر جہاں تک ہمیں معلوم ہے بعض سلف کے نزدیک غلاموں کو آزاد کرنے یا پیدل حج کو جانے یا سارا مال صدقہ میں دینے کی قسم کھانے پر تو کفارہ ہو سکتا ہے، مگر طلاق کی قسم کھانے پر کسی سے کفارہ منقول نہیں۔

وسعت معلومات اور مسلکِ اجتہاد کا اتباع

عبد اللہ بن احمد سمسار کا بیان ہے کہ امام ابن جریرؒ نے اپنے تلامذہ سے پوچھا "تاریخ عالم کا شوق رکھتے ہو تو تحریر کر دوں"؟ بولے "یہ کتنی جلدوں میں مکمل ہوگی"، فرمانے لگے "تقریباً تیس ہزار اوراق میں"، شاگردوں نے جواب دیا اس قدر ضخیم کتاب کا مطالعہ کرنے سے پہلے عمریں بیت جائیں گی، کہنے لگے انا للہ ماتت الهمم، لوگ ہمت

مار گئے ہیں، پھر تقریباً ۳ ہزار اوراق میں املا کرائی جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے، اس کے بعد جب تفسیر املا کرانے لگے تو پھر تلامذہ سے یہی بات کہی اور بالآخر تاریخ کے برابر املا کرائی جو تفسیر ابن جریر کہلائی، چالیس سال تک آپ کا معمول یہ رہا کہ وہ ہر روز چالیس صفحے لکھتے تھے، ان کے شاگرد ابو محمد فرغانی کہتے ہیں کہ امام ابن جریر کے شاگردوں نے ان کی بلوغت سے لیکر انکی وفات تک حساب لگایا اور انکی تصنیفات کو اس مدت پر تقسیم کیا تو ثابت ہوا کہ وہ ہر روز ۱۴ صفحے لکھا کرتے تھے۔

فرغانی کہتے ہیں، آپ نے بغداد میں دو سال تک امام شافعیؒ کے مذہب کی خوب نشر و اشاعت کی جس کے نتیجہ میں عوام نے اسے بطیب خاطر قبول کر لیا، پھر جوں جوں آپ کا علم وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، تقلید سے آزاد ہو کر اور اپنے خداداد اجتہاد سے کام لے کر وہ مسلک اختیار کیا جسے اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے آپ کو منصب قضاء پیش کیا گیا لیکن آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی امامت کا منکر واجب القتل ہے امام محمد بن علی بن سہل فرماتے ہیں میں نے امام ابن جریر سے سنا ہے فرماتے تھے جو شخص یہ کہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ ہدایت کے امام نہیں تھے اسے قتل کر دیا جائے۔

تصانیف فرغانی کہتے ہیں آپ کی تصانیف میں سے مندرجہ ذیل کتابیں آپ کے ہاتھ سے پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔

(۱) تفسیر (المعروف بتفسیر ابن جریر) (۲) تاریخ (المعروف بہ تاریخ طبری)

(۳) کتاب القرأت (۴) کتاب العدد والتنزیل (۵) کتاب اختلاف العلماء (۶) کتاب تاریخ الرجال

(۷) کتاب لطیف القول فی الفقہ - اس میں اپنا پسندیدہ اور اختیار کردہ مسلک درج فرمایا ہے۔

(۸) کتاب التبصیر فی الاصول۔

ان کے علاوہ کتاب تہذیب الآثار لکھنی شروع کی تھی۔ یہ آپ کی تصانیف میں سے ایک عمدہ ترین تصنیف ہے اگر مکمل ہو جاتی تو یقیناً آپ کا ایک عظیم علمی شاہکار تصور ہوتی۔ اس کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صحیح احادیث سے لکھنا شروع کیا تھا، ہر حدیث پر محدثانہ کلام کیا۔ اس کے تمام طرق جمع کیے اس

کی علل کو زیر بحث لائے پھر اس سے استنباط کردہ فقہ، اختلاف علماء اور ان کے دلائل و براہین تفصیل کے ساتھ بیان کیے اور حل طلب لغت کا حل فرمایا، اس طریق پر عشرہ مبشرہ، اہل بیت اور موالی کے مسانید تیار ہوئے مسند ابن عباس کا کچھ حصہ لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ اسی طرح ایک اور تصنیف "کتاب البسیط" کے نام سے لکھنا شروع کی تھی اس کی صرف کتاب الطہارۃ ہی تقریباً تین ہزار صفحات پر ختم ہوئی، ابھی کتاب الصلوٰۃ کا بیشتر حصہ اور کتاب الحکام والمحاضر والسجلات ہی لکھنے پائے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کی تفسیر کے متعلق ابو حامد اسفرائینی کہتے ہیں اگر کوئی آدمی تفسیر ابن جریر حاصل کرنے کیلئے چین تک سفر کرے یہ محنت اس کے مقابلے میں کچھ زیادہ نہیں۔

انتقالِ پُر ملال ابن کامل کہتے ہیں، امام ابن جریر نے بروز اتوار ۲۸ شوال المکرم ۳۱۰ھ عصر کے قریب داعی اجل کو لبیک کہا اور رحبہ یعقوب میں واقع اپنے مکان میں دفن ہوئے۔

صورت و حلیہ آپ کا رنگ گندمی تھا اور سیاہی مائل آنکھیں بڑی بڑی اور موٹی تھیں، جسم کے پتلے دراز قد اور بڑے فصیح الکلام تھے چونکہ بال زیادہ تر سیاہ تھے، اس لیے مہندی وغیرہ کا خضاب نہیں لگاتے تھے۔

جنازہ میں ازدحام آپ کے جنازہ میں لوگ اس کثرت سے شریک ہوئے کہ ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کئی مہینوں تک دن رات آپ کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاتی رہی۔

مراثی ادباء اور ارباب دین میں سے بہت سے لوگوں نے آپ کی وفات حسرت آیات پر مرثیے لکھے، ابو سعید ابن الاعرابی فرماتے ہیں:

حَدَثٌ مُفْظِعٌ وَّخَطْبٌ جَلِيْلٌ ــــــ دَقَّ عَنْ مِثْلِهِ اصْطِبَارُ الصَّبُوْرِ

ایک خوفناک حادثہ اور عظیم سانحہ پیش آیا ہے کہ اس میں انتہائی صبر کرنے والے کا صبر بھی جواب دے گیا ہے۔

قَامَ نَاعِي الْعُلُوْمِ جَمِيْعاً لَمَّا ــــــ قَامَ نَاعِي مُحَمَّدِ بْنِ جَرِيْرٍ

جب امام ابن جریرؒ کی موت کی خبر دینے والے نے خبر دی تو اس نے گویا تمام علوم کے مرجانے کی خبر دی۔

علامہ ابن درید نے بھی ایک دلگداز مرثیہ کہا جس میں فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمَنِيَّةَ لَمْ تُتْلِفْ بِهٖ رَجُلًا ——— بَلْ اَتْلَفَتْ عَلَمًا لِلدِّيْنِ مَنْصُوْبًا

موت نے ایک آدمی کو فنا نہیں بلکہ دین کے ایک مستحکم اور راسخ پہاڑ کو نیست و نابود کر دیا ہے،

كَانَ الزَّمَانُ بِهٖ تَصْفُوْ مَشَارِبُهٗ ——— وَالْآنَ اَصْبَحَ بِالتَّكْدِيْرِ مَقْطُوْبًا

انکی زندگی میں زمانہ صاف ستھرے اور شیریں چشمہ کی طرح تھا جو اب انکی موت سے گدلا اور میلا ہو گیا ہے۔

كَلَّا وَاَيَّامُهُ الْغُرُّ الَّتِيْ جُعِلَتْ ——— لِلْعِلْمِ نُوْرًا وَّلِلتَّقْوٰى مَحَارِيْبَا

بخدا! انکے مبارک اور زریں دور نے علم کیلئے روشنی کے مینار اور تقویٰ و پرہیزگاری کیلئے محراب قائم کر دیے تھے

اَوْدٰى اَبُوْ جَعْفَرٍ وَّالْعِلْمُ فَاصْطَحِبَا ——— اَعْظِمْ بِذَا صَاحِبًا اَوْ ذَاكَ مَصْحُوْبَا

ابو جعفر اور علم دونوں ایک ساتھ ہلاک ہو گئے، یہ کتنا عظیم ساتھی اور وہ کتنے عظیم رفیق تھے،

وَدَّتْ بِقَاعُ بِلَادِ اللّٰهِ لَوْ جُعِلَتْ ——— قَبْرًا لَهٗ فَحَبَاهَا جِسْمُهٗ طِيْبَا

زمین کا ہر قطعہ خواہشمند تھا کہ ان کی قبر بن جائے اور انکے جسم اطہر سے اسکو سعادت اور خوشبو نصیب ہو،

اہل حدیث نمبر

ادارہ محدث نے فیصلہ کیا ہے کہ ہر سال کے اختتام پر جلد کا آخری شمارہ، خاص نمبر شائع کیا جائے، جس کی ضخامت معمول سے ڈیڑھ گنا ہو۔

موجودہ سالنامہ اہل حدیث نمبر ہو گا، ان شاء اللہ۔ جس میں تحریک اہلحدیث کا پس منظر، تاریخی حیثیت اور اہل حدیث مکتب فکر سے متعلق علمی و تحقیقی مضامین شائع کیے جائیں گے۔

"محدث" کے اہل قلم معاونین ان مواضع پر اپنی علمی نگارشات بھیج کر شکریہ کا موقع دیں، "صرف تحقیقی مضامین ارسال فرمائیں"۔ (ادارہ)

Regd. No. L. 7895 JUNE, 1971

Monthly MUHADDIS Lahore-16

Islamic Research Council

Vol : I	RABI-AL-AAKHIR 1391 A. H.	No. 7

ماہنامہ **مُحدِّث** لاہور

ذیلی دفتر	صدر دفتر
حافظ عبدالوحید اینڈ برادرز	مدرسہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)
رام گلی نمبر۲ ۔ لاہور	گارڈن ٹاؤن ۔ لاہور ۱۶

ٹیلیفون نمبر ۳۲۲۹۸

بیرون ملک		معاونین سے :۔	
شرق اوسط :	۱۔پونڈ، ۵ شلنگ	زر سالانہ	۱۰ روپے
مغربی ممالک :	۱۔پونڈ، ۰ شلنگ	فی پرچہ	۹۰ پیسے

ٹیلیفون دفتر ۵۲۸۶۳